

کربوں است  
سیدنا ظریف علی

چیزیں  
خواجہ از ہر جاں

مدیر  
شیخ راشد احمد

نائب مدیر  
ڈاکٹر شاکر حسین خان

محل ادارت  
ڈاکٹر شہاب عالم۔۔۔ محمد عاصم  
محترف۔۔۔ عاصم احمد۔۔۔ شاہین خانم

قانونی مشیر  
ملک محمد صدر فیضی (ایڈو دیکٹ) ملتان

مشیران  
محمد روش عباسی صاحب  
محمد اوریں جنوبی صاحب  
انیس خان صاحب  
ثغرا شاہ صاحب

زر تعاون فی شمارہ / 55 روپے  
پاکستان / 600 روپے سالانہ  
میرون ملک / 3000 روپے سالانہ

پینک اکاؤنٹ نمبر

SHAIKH RASHID AHMED

IBAN #

PK94FAYS0002211500000699

FAYDAL BANK LTD

POWER HOUSE UP MORE  
BRANCH NORTH KARACHI  
-75850 PAKISTAN

ماہنامہ

# صوت الحق

کراچی

## اس شمارے میں

نمبر شار	عنوان	صفت	منو نمبر
01	قارئین اکرام سے گزارش ہے	مدیر	02
02	جمهوریت کا ڈھونگ	اداریہ	03
03	قرآنی نقطہ "المحيض" کے حمن میں	اور گنزیب یوسفی	07
04	انسانی زندگی کی کہانی	خواجہ از ہر جاں	14
05	تصوف قدیمہ مذاہب میں [1]	علامہ قلام احمد پروین	22
06	تین اقسام کے لوگوں کے کردار	شیخ راشد احمد	27
07	آئین میں مقاصد مملکت کا فیصلہ	مولانا مصالح الدین	29
08	حریک پاکستان کے گولڈ ملیٹ	سیدنا ظریف علی	31
09	سورۃ البالد [90] ترجمہ	اور گنزیب یوسفی	34
10	Sur—Al-Balad[90]	Aurangzaib	01
11	XXXXXX	XXXXXXX	XX

ادارہ کا مضمون نگار حضرات کی تحریر و معقاہد سے متعلق ہونا ضروری ہے

مفہامیں و خط و کتابت کے لئے،

ادارہ صوت الحق 9-L، سیکٹر 45C، کراچی کراچی، 75850 (پاکستان)  
Cell No. 0333 2254315 / Jazz A/C 0301 3300544  
saut-ul-haq@hotmail.com

کپوزیشن / ذیر اسنکھپ پر مصلحتی شیخ۔۔۔ معرفت صوت الحق۔۔۔ کراچی

پونکتو: خیوچاڑ پر میں بلوچ پارک ایم اے جناح روڈ۔۔۔ کراچی

# قارئین اکرام سے گزارش ہے

قارئین اکرام، ہر باشур انسان یہ بات جانتا ہے کہ کوئی بھی اجتماعی کام اسی وقت صحیح طور پر انجام پاتا ہے جب کہ اس سے تعلق رکھنے والے تمام لوگ اپنے حصہ کا کام ذمہ داری سے انجام دے رہے ہوں۔ اجتماعی کام ہمیشہ مشترک ذمہ داری سے ہی چلتا ہے۔ اگر ہر شخص اپنی ذمہ داری کوٹھیک ادا کر رہا ہو تو اجتماعی کام کامیابی کے ساتھ چلتا رہتا ہے، اگر ان میں سے کسی ایک نے بھی اپنے حصہ کا کام کرنے میں کوتاہی کی تو کام رُک جاتا ہے کیونکہ کوئی ایک انسان کسی اجتماعی کام کو تہبا انجام نہیں دے سکتا۔ ماہنامہ صوت الحق کی اشاعت فکر قرآنی سے وابستہ افراد کی اجتماعی ذمہ داری ہے، تھا میرے بس کی بات نہیں۔ صوت الحق نہ کاروبار ہے اور نہیں اس کی کوئی اضافی ذریعہ آمد نی ہے، اس کو خالصتاً امدادے باہمی کے ذریعے ہی چلایا جاسکتا ہے۔

معذرت کے ساتھ عرض کرتا ہوں، اہل قرآن گروہ کی زندگیاں کامل طور پر تبدیل نہیں ہوئیں اور نہ ہی ہمارا اپنے رب سے مستحکم تعلق اب تک کسی طور قائم ہوا ہے، فکر قرآنی کے دعویداروں میں دوچار افراد استثناء کے ساتھ کوئی مجاہد نہیں۔ بخیں میں اہل قرآن افراد کا کوئی ثانی نہیں۔ فرقہ پرست لوگ اپنے باطل عقائد کی نشر و اشاعت و تحریک پر دل کھول کر اپنی کمائی خرچ کرتے ہیں۔ مگر اہل قرآن افراد نے تو قرآن کچھ اس طرح سمجھا ہے کہ کوئی اللہ کی راہ پر خرچ کرنے کو تیاری نہیں۔ سوال یہ ہے کہ قرآنی نظام عمل اور معیشت قائم کرنے کی خواہشندوں کی میدانِ عمل میں کارکردگی کیا ہیں؟ ہم اللہ کا پیغام دنیا بھر کے انسانوں اور حکمرانوں تک پہنچانے کے لئے کون سی اہم کاوشیں کر رہے ہیں؟ حق یہ ہے وہ لوگ جو خود کو قرآن سے وابستہ سمجھتے ہیں، میں نے ان کے کردار میں بے عملی اور زبانی جمع خرچ کے سوا کچھ نہیں پایا، ان کا کوئی مرکز اور تنظیمی ڈھانچہ نہیں، ہر فرد خود قابل وکعبہ ہے، بس رسالہ مغلول ایسا، ڈرائیک روم میں بیٹھ کر ایک دوسرا پڑھ لئے و انشوری بھگاری اور سمجھ لیا دینی فریضہ ادا ہو گی، ذرا سوچیں! کچھ کے بغیر کسی آزمائش سے گزرے بغیر کیا صرف 600 روپے کا رسالہ پڑھ کر جنت میں جائے گی؟ خوش فہمی میں نہ رہیں، اگر آپ اپنے رب کے ساتھ گھرے اور متحکم قربت کے خواہاں ہیں تو اپنا وقت، ہنر، اور صلاحیتوں کو اللہ بزرگ و برتر کے لئے وقف کر کے اپنے رب کے ساتھ رشتہ قائم کریں۔

ماہی کی بات یہ ہے کہ صوت الحق کی اشاعت تہبا میں کر رہا ہوں، دنیا کی سات ارب کی آبادی میں چند سوراں لے چھاپنا کیا حیثیت رکھتا ہے؟ مسلسل یادو ہانی بھیجھ پر بڑی مشکل سے زرشکت وصول ہوتا ہے جوکل اخراجات کا مشکل 40 فیصد وصول ہوتا ہے، بھایا 60 فیصد اضافی اخراجات میں سے کچھ حصہ صرف یہ وہ ملک سے دوچار قبل احترام بزرگ ہستیاں مالی مدد کرتے رہتے ہیں جو کہ ناکافی ہوتی ہیں، بھایا میں خود "صوت الحق" کو مد فراہم کرتا ہوں، پچھلے دو سال سے بزرگوں کی توجہ کم رہی، جس کے سبب اخراجات کو اٹھانا تہبا میری ذمہ داری رہی۔ جب سے عمران خان کی حکومت آئی ہے میرا چھوٹا سا کنسٹریکشن کا کام بند پڑا ہے، جس سے گزارش ہے صوت الحق کو اپنی ذمہ داری سمجھیں اور مالی امداد فراہم کریں۔ اس کی اشاعت کم اور اخراجات زیادہ ہیں، اس لئے مالی خسارے کا سامنا رہتا ہے، جو بھیک اس کی اشاعت نہیں بروحتی اس کو مالی امداد کے ذریعے ہی چلایا جاسکتا ہے۔ راشد

# ہالت، کرپشن اور استھصال پر قائم معاشرہ اور جمہوریت کا ڈھونگ

جب تک اس ملک میں جمہوریت کا ڈھونگ قائم رہے گا، وڈیرہ شاہی یوں ہی چلتی رہے گی۔ اور نظامِ ظلم و تم بھی ختم نہ ہو، اسی اور فلاحتی پروگرام رکھنے والے کسی بھی اتفاقی آجائے والے صاحب کردار حکمران کو نہ اپوزیشن پارٹیاں کام کرنے دیں گی، نظامیہ اور عدالیہ، اور نہ ہی میڈیا۔ اور ان سب سے بڑھ کر تبغہ گیر سرمایہ داروں کی مافیا۔ عمران خان جیسا اول العزم بھی اپنی بازی لگاتا ہوا بالآخرنا کام ہی گذر جائے گا۔

یہاں تو بے رحم طاقت کے استھمال کے ساتھ ایک انقلاب عظیم کی ضرورت ہے جس میں لاکھوں انسان و شہنوں کے سر جائیں اور کرپشن اور غذہ اری کے کوڑھ کو ہر سرایت کر جانے والی جگہ سے کاٹ کر پھینک دیا جائے۔۔۔ جب تک یہ قوم از منہ مطلق العنان سردار یوں، جاگیر دار یوں، پیری مریدی، وڈیرہ شاہی اور چودھرا ہٹوں، برادر یوں اور قبائلی زندگی سے باہر نکل گی، یہاں نہ تہذیب و داش کبھی پیدا ہو سکے گی اور نہ ہی اخلاق و کردار۔ بھلا جہاں ہر تھوڑے فاصلے پر کوئی وڈیرہ، خان، دہری اور جاگیر دار و سعیج زمینوں پر "خدا" بنا بیٹھا ہو، اور جب چاہے اپنی رعایا کی جانوں اور عزتوں سے کھیتا رہے، وہاں

اور آزادی رائے کیا معنی رکھ سکتی ہے؟۔ وہاں جمہوریت کا ڈھونگ کس قسم کا نیا معاشرہ تخلیق کر سکتا ہے؟

گزرستہ ستر سال میں اگر ایسے معاشرے میں جہاں شیاطین اور ابلیس کی کارفرمائی چپے چپے پر پھیلی ہوئی ہے، قدرت کی مالاں مہربانی سے عمران خان جیسا صاحب کردار کسی طرح ایک نہایت کمزور اقتدار کی مند تک پہنچ جاتا ہے، تو پھر اس کے مائزے کے وہ محب وطن فوج کی مدد سے اقتدار مطلق حاصل کر لے۔ اور قوم کے ساتھ کئے گئے اپنے قول کو پورا کرنے کے لئے میں کو زندگی کے ہر شعبے پر مسلط لاکھوں شیاطین سے پاک کر دے۔ اسے ایک حقیقی "پاک اسٹھان" بنادے۔ اللہ تعالیٰ نے با مناصب پر موجود شیاطین کو یا جوں و ماجوں کی اصطلاح سے پکارا ہے۔ اور یہ حکم دیا ہے کہ قوم کی بازا آفرینی کے لئے ان سب کو کے بلند مناصب سے اکھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک دیا جائے۔

سورۃ الانبیاء: وَحَرَمْ عَلَیٰ قَرْيَةٌ أَهْلَكْنَاهَا أَنْهُمْ لَا يَرْجِعُونَ (95) حتیٰ إِذَا فُتُحَتْ يَأْخُوْجُ وَ

نُوْجُ وَهُنْ قَنْ ثُلَّ حَدَبٍ يَنْسُلُونَ (96) اور منور ہو جاتا ہے اسکی ہرستی پر جسے ہم نے ہلاک کر دیا یعنی پستیوں رادیا ہو (اَهْلَكْنَاهَا) کہ وہ اپنے سابق مقام پر واپس آسکے (يَرْجِعُونَ)، جب تک کہ ایسا نہ ہو جائے کہ ان کے تمام فسادی [يَأْخُوْجُ وَمَا يَأْخُوْجُ] پر قیچ پالی گئی ہو (فُتُحَتْ) اور انہیں تمام اونچے مقامات و مناصب (ثُلَّ حَدَبٍ) سے اکھاڑ کر کے پھینک دیا جائے۔"

موجودہ وزیر اعظم مسلم ریاست مدینہ سے انسپاڑ ہونے کا ذکر کرتے ہیں اور پاکستان کو ریاست مدینہ کے ماذل پر لئے کے اقدامات کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ اندریں احوال، مودبادہ سوال یہ ہے کہ کیا ریاست مدینہ میں جمہوریت کا

بایگیا تھا؟ اور کیا اس ریاست میں اپوزیشن پارٹیاں پائی جاتی تھیں؟ کیا اس قرآنی حکومت میں قانون سازی کے لئے عوامی اسمبلی کی بہلو بازیاں برداشت کرنا ضروری سمجھا جاتا تھا؟ کیا وہاں ہر شعبے کی جرم مافیاواں کو آزاد چھوڑ دیا گیا تھا کہ پر فساد پھیلاتے رہیں؟ اور کیا وہاں پاکستان کی مانند ایک مرکزی ریاست کے اندر جا گیرداری نظام کے تحت جگہ جگہ ذاتی بن قائم تھیں؟

نہایت خصوصیت کے ساتھ جمہوریت کے اصولوں کی پاسداری کرنے والے عمران خان کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ آپ کا بنینہ کا تصور ہی جو ہری طور پر ریاستِ مدینہ کے انتظامی ڈھانچے اور آئین [Constitution] سے متفاہ و متفاضل ہے۔ جمہوریت کا تصور نہیں بلکہ اللہ کی حکمرانی میں ایک مطلق العنان فلاجی ریاست قائم کی گئی تھی جسے قرآن کی سچی روشنی میں جمہوریت کا تصور نہیں تھا۔ جمہوریت اکثریت کے نام پر معاشروں میں کھیلا جانے والا ایک ایسا ذرا رامہ ال کرنے میں کسی رکاوٹ کا سامنا نہیں تھا۔ جمہوریت اکثریت کے نام پر معاشروں میں کھیلا جانے والا ایک ایسا ذرا رامہ کے پروڈیوسر معاشرے کے نہایت امیر، طاقتور اور سرکردہ لوگ ہوتے ہیں۔ وہی جن کی ریاستِ مدینہ اپنی اساس کے طائف نہیں۔

اس ڈرامے میں نہایت سوچ سمجھ کر عوامی ایکشن کا ڈھونگ متعارف کروایا گیا ہے۔ یہ ڈھونگ کچھ اس طرح وضع کیا گیا طبقے کے سوا کوئی بھی دیگر طبقات سے آنے والا یہ ایکشن لڑھی نہیں سکتا۔ کیونکہ وہ اس بڑے ڈھونگ کے بے پناہ اخراجات میں کر سکتا۔ یعنی ایک جمہوری حکومت میں ایک مخصوص طبقے کے علاوہ کسی بھی دیگر طبقات کی نمائندگی ہونا قریباً ناممکن ہوتا ہے۔ دراصل اپنی اصل میں جمہوری حکومت نہیں ہوتی کیونکہ اس میں جمہور یعنی عوام کی کوئی نمائندگی نہیں پائی جاتی۔ اسی لئے حکومت دراصل ایک واحد امیر ترین طبقے کی حکومت ہوتی ہے۔ یہی وہ بالائی طبقہ ہوتا ہے جس کے ہاتھوں میں ذرا رائے اوار ہوتے ہیں۔ یہ طبقہ یہ تمام وسائل عوام کا استھان کر کے حاصل کیا کرتا ہے۔

پیٹی آئی کے اسمبلیوں میں پہنچ جانے والے لیڈران بھی نہایت امیر لوگ ہیں اور اسی طبقے کے نمائندگان ہیں۔ اسی لئے ن کے منشور پر چلنانا ان کے لئے نہایت مشکل ثابت ہو رہا ہے۔ یہ کلاس یا طبقہ اکثریت کی حیات کا ڈھونگ رچا کر اقتدار پر جاتا ہے۔ جب کہ قرآن اکثریت کے اصول کی صریح فتنی کرتا ہے۔ اس کے واضح حکم کے مطابق اگر اکثریت کے راستے پر تو وہ لامحالہ گمراہی کی جانب لے جاتا ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

إِنْ تُطْعِنُ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضْلُوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّ يَتَبَعُونَ إِلَّا الظُّنُونَ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ [6/116] اے نبی اگر تم زمین پر موجود عوام کی اکثریت کی رائے کی اطاعت کے اصول پر لوگے تو یہ اکثریت تمہیں اللہ کے مقرر کردہ راستے سے بھٹکا دے گی۔ یہ اکثریت تو صرف وہم و مگان ہی پر چلتی ہے، یعنی عقل و خرد سے فارغ ہوتی ہے۔ اور ان کا کام تو صرف جھوٹ پر مبنی جوڑ توڑ ہوتا ہے۔

یہی حقیقت تو ہے کہ عوام کی اکثریت داش و آگہی سے محروم ہوا کرتی ہے۔

عمران خان بھٹکا دے گی قوم کو جمہوری ڈھونگ کی پاسداری راس نہیں آسکتی۔ ہمارے جیسی قوم کے اندر اصلاح احوال کے

لیے پارلیمنٹ کی مچھلی منڈی میں گالیوں اور نجاشیوں کے مقابلوں کی حاجت نہیں بلکہ اقتدارِ مطلق کی ضرورت ہوتی ہے۔ بے رحم اقتدارِ مطلق کی، جہاں صرف زبان سے لکھا ہو فقط فیصلہ گن حکم بن جائے اور برق رفتاری سے پایہ تکمیل تک پہنچے۔ وزیر اعظم کو معلوم ہونا چاہیے کہ ان کے پاس وقت بہت کم ہے۔

انسانی زندگی کی سب سے بڑی سچائی تو یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں موجود قابض طبقے کو ہم سب کے مالک و آقا نے اپنی کتاب و انش و بدایت میں مترفین، مستکبرین اور ملاعِ القوم کے نام سے پکارا ہے، جو نبی پاک اور ان کی عظیم تحریک کا مرکزی حریف اور دشمن تھا۔ اور یہ وہ فرست انگیز شیطانی طبقہ ہے کہ ہرنبی / رسول کے ہاتھوں سے جو عوامی آزادی کی تحریک اٹھائی گئی، وہ اسی شیطانی طبقے کے خلاف تھی۔ اور ہر ایسی تحریک کا ہدف ایک سیاسی و سماجی انقلاب کے ذریعے اقتدار کو اس طبقے کے احصائی ہاتھوں سے چھین لینا تھا، تاکہ زمینی وسائل کو ایک فلاہی مملکت کے میڈیم سے عوام کے درمیان برابری کی بنیاد پر تقسیم کیا جاسکے۔ تاکہ دکھ، افلاس اور محرومیاں ختم کر دی جائیں۔

مغربی جمہوریت کے اس جاری ڈھونگ میں آج کی مانند آئندہ ایکشن میں بھی بلوچستان سے تمام سردار صوبائی اسمبلیوں میں بیٹھھے ہوں گے اور بلوچی عوام کی نمائندگی صفر ہوگی۔ نواب ریسائی ڈنکے کی چوٹ پر اپنی جعلی ڈگری کو مستند منواتار ہے گا، اور اپنی وزارت اعلیٰ کا سارا دور اسلام آباد کی وسیع و عریض اور صاف شفاف سڑکوں پر ہیوی موڑ بائک کی ڈرائیونگ کے مزے لوٹا رہے گا۔ نواب بگٹی کی نسلیں مسلح جدو جہد کے بیلک میں سے حکومت اور وطن و شہنوں سے فٹنگ وصول کرتے رہیں گے، اور اچکوں کا سردار محمود خان اچجزی اپنے تمام رشتہ داروں کو پھر ایک بار بدقسم ایک نوٹ مار کے لئے اعلیٰ ترین حکومتی مناصب پر تعینات کر دے گا۔ اور بلوچستان میں افغان دہشت گردی کی سر پرستی پر بھی مامور رہے گا تاکہ وہاں اپنے اصل وطن کی ایسا پر آگ و خون کا کھیل جاری رکھے۔ پھر حسب سابق، سارا صوبائی ترقیاتی بجٹ بآہی تقسیم سے ہر پ کیا جاتا رہے گا۔

سندھ سے تمام دیہاتی وڈیرے اور پیر اسمبلی میں پھر سے برا جمان ہوں گے۔ عوام کے بچے بھوک بیاری، آفت اور گتوں کے کائنے سے مر رہے ہوں گے۔ ذوالفقار اعلیٰ بھٹو زندہ کیا جاتا رہے گا۔ اور یہ شیطان صفت وڈیرے اور پیر آٹھارویں ترمیم کی آڑ میں نوٹ کے مال سے اپنے گھر، تھانے اور گودام بلا بھر رہے ہوں گے۔

پنجاب کے شہروں سے رانا شناۓ اللہ اور حنیف عباسی میراثی جیسے قاتل، قبضہ مافیا اور ڈرگ لارڈ، غیر ملکی اقامتہ بردار خواجے اور کئی ارسطو اور افلاطون، اور دیہاتی علاقوں سے انگریز سماجیں کے پرانے و قادر لینڈ لارڈ اور خدوم پھر اسٹبلی میں رونق افروز ہوں گے۔ چودھری برادران علاقوں میں مار دھاڑ اور پولیس گردی کے ذریعے اپنی دہشت بھاتے رہیں گے، اور تمام شریف بدمعاش مل کر عوام کو ٹوٹو پیچپکی مانند استعمال کرتے رہیں گے۔

صوبہ سندھون خواہیں قدیمی کا انگریزی لینڈ لارڈ فیملی سیاسی فرنٹ پر ناکام ہونے کے باوجود بھی کھلے عام غذاء ری کا کھیل کھیلتی رہے گی اور پشتوں آزادی کے نام پر تحریک کاری اور دہشت گردی کے لئے اپنے مختلف ایجنسٹ آگے بڑھاتی رہے گی۔ فضل الرحمن اپنی بدؤ سے فضاوں کو مسوم کرتا رہے گا۔ جب بھی کوئی سیاسی عضر یا غیر ملکی طاقت پیسہ لگانے کو تیار ہوں گے تو یہ شخص اسلام آباد پر پھر دوڑنے کی مہم جوئی پر نکل کھڑا ہوگا۔ اسلام آباد جیسے عروں البلاد کی تمام تر فضا مسوم کردی جائے گی۔ حکومت زیج ہو کر ان سب

کامنہ یونیورسٹی رہے گی۔ اور ان کے دھنوں کے لئے عارضی پاخانے تعمیر کرنے میں قوم کا وقت، بیسہ اور تو اتنا فتح نہ تھا۔

اس ڈھونگی جمہوریت کے بارے میں قرآن کا فیصلہ [۱۱۶-۶] تو ہم نے اور پڑھ لیا ہے۔ اس سرمایہ داری دھوئے پاکستان میں موجودہ خدوخال بھی واضح کر دیے گئے۔ اب عظیم قرآنی فلسفی علامہ اقبال کی زبان سے اُس قرآنی فیصلے کی وضاحت بھی ملاحظہ فرمائیں تو ہمارے محترم وزیر اعظم کا جمہوریت کا راگ اور اس کا الاپ آپ کی نظرؤں میں بے وقت ہو جائے گا۔

تو جہاں کے تازہ فتوں سے نہیں باخبر  
جو ملوکت کا اک پرده ہو کیا اُس سے خطر  
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خود مگر  
یہ و جو دمیر و سلطان میں نہیں ہے منصر  
چہرہ روشن، اندروں چنگیز سے تاریک تر  
جس کے پردوں میں نہیں غیر از فناۓ قیصری  
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری  
طب مغرب میں مزے ہیں یتھے، اڑخواب آوری  
یہ بھی ایک سرمایہ داروں کی ہے جگ زرگری  
وہاں مرض کا سبب ہے نظامِ جمہوری  
جہاں میں عام ہے قلب و نظر کی رنجوری  
آہے ناداں، نفس کو آشیاں سمجھا ہے تو

خیر ہے سلطانی جمہور کا غونا کہ شر  
ہاں مگر میری جہاں نبی بتاتی ہے مجھے  
ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس  
کا رو بار شہر یا ری کی حقیقت اور ہے  
تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام  
ہے وہی سازِ کہن مغرب کا جمہوری نظام  
دیواستبداد جمہوری قبا میں پائے کوب  
مجلسِ آئین و اصلاح و رعایات و حقوق  
گرمیٰ گفتار اعضاءِ مجالسِ الامان  
یہاں مرض کا سبب ہے غلامی و تقلید  
نہ شرق اس سے بری ہے نہ مغرب اس سے بری  
اس سر اب رنگ و بو کو گلتاں سمجھا ہے تو

جمہوریت کے اس سیر حاصل تجزیے اور اس کے حاصل تک پہنچنے کے بعد اب آخر میں پاکستان میں ستر برس سے راجح عوام و شہنشیطانی نظام میں کوئی بھی بنیادی تبدیلی لانے کا نیک ارادہ رکھنے والوں کے لئے بڑا واضح اور دوڑوک راہنمای اصول علامہ اقبال ہی کے کلام سے پیش کر دیا جاتا ہے جس کے مطابق ہر تبدیلی یا نئی تحریر کے لئے سب سے اول ضرورت پرانے نظام کو جڑوں سے اکھاڑ دینا ہوتا ہے:-

ہیں اسی آشوب سے بے پرده اسرار وجود  
زور لے سے وادیوں میں تازہ چشوں کی نمود  
ہے اسی میں مشکلات زندگانی کی کشود

گرچہ رہم ہے قیامت سے نظام ہست و بود  
زور لے سے کوہ و در اڑتے ہیں مانند حساب  
ہر نئی تعمیر کو لازم ہے تحریک تمام

اللہ تعالیٰ پاکستان کے غریب اور چکلے ہوئے عوام کو اچھے دن دیکھا نصیب کرے۔

# قرآنی لفظ "المَحِيضُ" کے ضمن میں 1400 برس قدیمی دھوکا

خاص علمی و شعوری قرآنی تراجم کے ضمن میں اب تک اکثر اہم قرآنی موضوعات پر قرآن ہی کو واحد ماذمانے ہوئے ریسرچ آرٹیکل پر قلم کیے جا چکے ہیں۔ یہ ایسے موضوعات تھے جن کا راست تعلق انسان کی معاشرتی و سیاسی زندگی کے ساتھ ہمیشہ سے جڑا رہا ہے۔ ایسے تمام موضوعات کے قدیمی روایتی تراجم و تفاسیر میں پرانے وقت میں نہایت چاکدستی کے ساتھ مُنظم انداز میں سرکاری سطح پر داخل کیے گئے التباسات اور اہمادات دور کرنے کی سنجیدہ اور عمومی عقلیت پر بنی [as per common sense] کوشش کی گئی، تاکہ مفاد عامہ کا باعث بنے اور حقیقت سے آگاہی ملے۔ ہر موضوع سے متعلق الہامی متون کا قرآن کی پیچی روشنی میں راست اور انہائی منضبط، قانونی معیار کا حامل ترجمہ پیش کیا گیا۔

اب باری ہے ایک چھوٹے لیکن بہت خاص اہمیت کے حامل موضوع [Theme] کی۔ یہ اہمیت اس لیے ہے کہ یہاں عموم انسان کو دھوکا بھی بہت خاص قسم کا دیا گیا، اور وہ بھی ایسا کہ ہر ہماشہ، ہر عالم و فاضل یا پھر علم سے نا بد، ہر لکیر کا فقیر مولوی اور ہر روشن خیال جدید سکار، اور اب تک کے تمام قابلِ احترام اساتذہ اور سینیئر قرآنی بزرگ، سب ہی اُس دھوکے کی لپیٹ میں آ گئے۔ 1400 سال تک کسی کو ذرہ برابر بھی شک و شبہ نہ ہوا کہ اس قرآنی موضوع کا کچھ اور معنی بھی ہو سکتا ہے اور کیوں نہ اس کو ذرا سیاق و سبق کی روشنی میں زیادہ گہرائی سے جانچ لیا جائے۔

ہمارا موضوع ہے "المَحِيضُ"۔ جسے ہمارے اموی دربار کے کرم فرماؤں نے اپنی مگر انی میں تیار کروائی گئی تفاسیر میں خواتین کے ماہواری "محیض" [Menstrual Cycle] سے تعبیر کر کے حقیقی قرآنی معنی کو یکسر تبدیل کر دیا تھا۔ اور یہی سخ شدہ عامیانہ تعبیر جو ذاتِ تعالیٰ کے کلامِ عالیٰ کے شایانِ شان ہی نہ تھی، آج تک درست تسلیم کی جاتی ہے۔ نعمۃ اللہ۔ دیکھیے ایک متعلقہ آیت، 2/222 کا روایتی ترجمہ:-

وَبِسْأَلَنَّكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذْيٌ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرُبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأُتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمْرَكُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَاَبِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ﴿٢٢٢﴾

پوچھتے ہیں؛ حیض کا کیا حکم ہے؟ کہو؛ وہ ایک گندگی کی حالت ہے اس میں عورتوں سے الگ رہو اور ان کے قریب نہ جاؤ، جب تک کہ وہ پاک صاف نہ ہو جائیں پھر جب وہ پاک ہو جائیں، تو ان کے پاس جاؤ اُس طرح جیسا کہ اللہ نے تم کو حکم دیا ہے اللہ ان لوگوں کو پسند نہیں ہے، جو بدی سے باز رہیں اور پاکیزگی اختیار کریں۔ [مودودی]

خواتین، یعنی اپنی ماوں، بہنوں، بیٹیوں اور بیویوں کے اس اذی و ضمن معاشرہ میں قرآنی لفظ "المَحِيضُ" حیض بنا کر خواتین کے ماہواری سائیکل سے تشبیہ دینا، اور اس حیض کے دوران عورتوں کو گندہ اور ناپاک قرار دینا، اور ان کے قریب جانے کو بدی قرار دینا، کوئی تعب

کی بات نہیں سمجھی گئی۔ جیسا کہ ہم سچی جانتے ہیں، لیکن اعتراف نہیں کرتے، کہ اذل سے ہی اپنی خواتین کی آزادیاں سلب کر کے انہیں بخوبی رکھنا، ان پر ہر قسم کے سماجی جگہ بندوں کا کرانہیں مردوں کی تابع فرمان بنا کر رکھنا، اور انہیں ناپاک، منحوس اور فساد کی جڑ قرار دینا، اور اس قماش کے کئی دیگر ظالمنہ شوق خواتین پر استعمال کرنا مسلمان قوم کی اصلیت ہے۔

اسی شوق کی تکمیل میں شادی اور طلاق کے من گھڑت قوانین بنائے گئے اور ان کے ذریعے صرف اور صرف عورت ذات پر ہی درجنوں اقسام کے فرائض اور پابندیاں عائد کر دی گئیں۔ اس ضمن میں اگر معزز زقارائین کو سیو حاصل قرآنی موقف جانا ہو تو، اس عاجز کے موضوعاتی مضامین کی اقسام 42 اور 43 میں قرآن کی سچی روشنی میں کیے گئے ان دونوں موضوعات سے متعلق تراجم ضرور مطالعہ فرمائیں۔ اس ضمنی نکتے کا حوالہ دینے کا اصل مقصد یہ بتانا ہے کہ موضوع زیر تحقیق پر بھی عورت ذات کی ہٹک کرنا ہی پیش نظر کھا گیا۔

آیت 2/222 میں لفظ "لحیض" پہلی بار زیر نظر لایا گیا ہے، اور اس کے قرآن کی سچی روشنی میں ترجیح کے لیے اس کے تاریخی اور لغوی تناول کی گہرائی میں اترتتا ضروری باور کیا گیا ہے تاکہ جو قارئین پس منظر کا علم نہ رکھتے ہوں ان پر بھی صورت حال واضح ہو جائے۔

باعوم، اور اولین اموی دور کی سازشی تقاضی کے سبب، یہ لفظ ایک خواہش پرستانہ تبدیلی کے عمل سے گزار کر "حیض" کی من گھڑت شکل میں، بمعنی خواتین کے ماہواری خون کے اخراج کے معمول کے لیے مخصوص کر دیا گیا ہے۔ اسی لیے لغات میں سے غالب اکثریت اس کے اسی معنی تک خود کو محدود کر لیتی ہے۔ لیکن یہ اسلامی معیار پر ایک غلط العام ہے جو یقیناً، جیسے کہ اوپر تحریر کیا گیا، سازشی تقاضی کے اتباع میں رائج ہوا۔

تقریباً ایک درجین مستند ترین لغات کے وقت نظر کے ساتھ مطالعے کے بعد یہ ثابت ہوا کہ اپنی اصل میں یہ لفظ صرف خون بہنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ لیکن اسے وراشت میں ملے کر پہنچانی کے باعث بے جا طور پر صرف خواتین کے ساتھ مخصوص کر دیا گیا۔ فی الحقیقت، حیض کے بنا دی معنی بہنے نکلنے اور خاص طور پر خون کے بہنے نکلنے کے ہیں۔ جیسے: "حاض الصلیل" یعنی سیلاپ خوب بڑھ گیا اور اس کا پانی چڑھ کر بہنے لکلا۔ یعنی "الصلیل" کے ساتھ استعمال ہونے سے اس کے معنی پانی کے بہنے اور جاری ہونے کے لکھے گئے ہیں۔ فارس نے لکھا ہے کہ ببول کے درخت سے جو شرخ رنگ کا پانی نکلتا ہے، اس کے لیے "حافظ اسرة" کہتے ہیں۔ تاج نے بھی اس کی تائید کی ہے۔ قاموس الوحید میں لکھا ہے "حافظ شجر اسراء" یعنی ببول کے درخت سے خون نما پانی نکل کر بہنے لگا۔

مختار الصحاح، لین کی لیکیں [اور کئی دیگر لغات] میں لکھا ہے: "حافظ المرأة": عورت کو حیض آگیا، یعنی عورت کے خون بہنے لکلا۔ یعنی خون کے بہنے کو عورت کی ماہواری سے تشبیہ دینے کے لیے عورت کا حوالہ دینا ضروری ہے، وگرنے حیض صرف خون کا بہنے لکلا ہوگا، اور اسے عورت کی ماہواری کے حیض سے مستنبط کرنا ایک اسلامی اглаط ہوگا۔ لیکن کیونکہ ایک مردانہ غلبے کی بیماری میں بتلا معاشرے میں عورت کو ہر لحاظ سے حقیر دکھانے کا جنون موجود تھا، اس لیے عورت کو غیر مطہر، یعنی ناپاک و بخس قرار دینے کا یہ موقع بھی بھر پور استعمال میں لا یا گیا۔

اندریں احوال، آپ دیکھیں گے کہ غلط العام کے باعث حیض کا یہ لفظ بے جا طور پر عورت کے منفصل روٹین سے ہی مخصوص کیا جا چکا ہے، جس کی کوئی تاریخی، لسانی بنیاد نہیں ہے۔ نیز عورت کے حیض کے بارے میں قرآن کا ایک اکشاف کے طور پر اپنے متن میں خاص طور پر ذکر کرنا بھی کوئی منطقی اور شعوری جواہر نہیں رکھتا۔ عوام کا رسول پاک سے ”خواتین کے حیض“ کے بارے میں سوال کرنا بھی ایک بچکانہ فعل سے بڑھ کر حیثیت نہیں رکھتا، کیونکہ عورت کا حیض آنا انسان کی کروڑوں برس قبل تخلیق کے فوراً بعد ہی سے چلی آ رہی روٹین یا معمول ہے۔ اور نسل انسانی اس کے تمام مقتضیات و حکمت سے کم از کم ہزار ہا برس قبل سے بخوبی آگاہ رہی ہے۔

ٹوکار میں، یہاں تک کے اور اک حقیقت کے بعد ہم غالباً عورت ذات کو حیض کے حقیقی معنی کے تناظر سے مستند طور پر خارج کر دینے کے قابل ہو چکے ہیں، اب یہاں یہ مزید خالص گرامر کا سوال پیدا ہوتا ہے کہ معرفہ ”ال“ کے ساتھ، اور اسم ظرف کے طور پر ”حیض“ کی شکل میں یہ قرآنی لفظ ”الحیض“ کیا معانی لینے کا تقاضے کرتا ہے۔ کیونکہ صاف ظاہر ہے کہ قرآن میں تو ”حیض“ کی شکل میں استعمال ہی نہیں کیا گیا۔ اور صرف اسی ایک بنا پر بھی ہم اسے خواتین کا حیض ہرگز نہیں کہ سکتے، اور خواتین اس تناظر سے خارج ہی ٹھہرتی ہیں۔ یہ قطعی طور پر ”چیزے دیگر است“ والا معاملہ ہے۔ اور یہ سوچنا بھی ہم بھی کام ہے کہ اسے ماہواری پر محظوظ کر کے ہمیں لکھنا بڑا ہو کا دیا گیا ہے۔ اگر کوئی بھی عربی لسانیات کا ماہر یا قرآنی سکالر، حتیٰ کہ کوئی نسلی عرب قرآنی عالم بھی یہاں اس نکتے پر کوئی سوال اٹھا سکتا ہے تو اسے خوش آمدید کہا جاتا ہے۔

لفظ ”حیض“ اسم ظرف کے لحاظ سے خون کے بہنے کے یا خوزیریزی کے کسی مقام، موقع، وقت اور مأخذ“ کی جانب اشارہ دیتا ہے۔ جب اس کے ساتھ ”ال“ معرفہ بھی لگا دیا گیا ہے تو پھر یہ ایک مخصوص و معلوم بڑی خوزیریزی کے منبع یا مأخذ کی طرف واضح اشارہ کر رہا ہے۔ انگلش میں یہ یہاں [The Bloodshed] بن جاتا ہے، یعنی وہ خوزیریزی جو جانی بوجھی ہے، جس کا ذکر پہلے بھی کیا جاتا ہے۔ اور یہاں تک کہ ایک نہایت چونکا دینے اور دل و دماغ کو روشن کر دینے والا اکشاف ہے جس پر آپ کی نہایت مکمل توجہ مرکوز کیے جانے کی ضرورت ہے۔ تاکہ اس عاجز کی محنت سے کی گئی تینی موثر و نتیجہ خیز ثابت ہو۔

پیارے قارئین، مذکورہ بالا تصریحات کی روشنی میں قرآنی لفظ ”الحیض“ پر بنی دو عدد آیات [نمبری، 2/222 اور 5/65] کا قرآن کی سچی روشنی میں علمی و شعوری ترجمہ پیش کر دینا اس عاجز کے لیے ایک نسبتاً مختصر اور آسان کام تھا۔ مگر اس اہم قرآنی موضوع پر کامل شرح صدر کے لیے لازم ہے کہ یہوضاحت بھی اپنے پورے تناظر میں کی جائے کہ قرآن یہاں اپنے نزول کی ہمعصر تاریخ میں کس بڑی خوزیریزی کا ذکر کر رہا ہے تاکہ اذہان میں اٹھنے والے ہر سوال کا شافی و کافی جواب مل جائے اور صدقی سیط اور نفس الامر کا اور اک ہر قاری کی اندر ورنی شعوری ذات کے سکون و اطمینان کا باعث ہو۔

تو آئیے تاریخ کے بحرِ ذخیر میں غوط زدن ہو کر دیکھیں کہ رسول پاک کی زندگی، آپ کی بخشت اور نزول قرآن کا دور کن گونا گوں حاوی تاریخی مختصرات سے بھرا پڑا تھا، اور یہ ایسی کون سی عظیم خون ریزی تھی جو ہمہ وقت جاری و ساری رہی اور قرآن میں اس کی جانب کم از کم چار مرتبہ اشارہ دیا گیا۔ یاد رہے کہ تاریخ کے سمندر میں غواصی کے بغیر قرآنی نہیں ایک ”خیال است و محال است“ والا معاملہ بن جاتی ہے، خواہ کوئی اس حقیقت سے متفق ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو۔ اور اس عاجز نے اپنی چالیس سالہ قرآنی زندگی

میں نہایت فاضل و محترم اساتذہ و علماء کو تاریخ میں کمزوری کے باعث قرآن نبی کے میدان کا رزار میں بڑی طرح لڑکھراتے دیکھا ہے۔ مخذالت خواہ ہوں۔

پیدائش رسول پاک 570 عیسوی، اور حلت 632 عیسوی۔

576 عیسوی میں سارے یمن پر ساسانی سلطنت کا قبضہ۔ 590-578 میں پنجم ساسانی سلطنت کا فرمانروایہ ہوا۔ تقریباً چھ لاکھ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور آسودہ حال یہودی عراق سے نقل مکانی کر کے جزیرہ العرب کے تقریباً ہر خطے میں پھیل گئے۔ یہ اس وقت ہوا جب رسول پاک کی عمر مبارک ابھی آٹھ سے دس سال کے پیٹے میں تھی۔

618-589: عظیم ساسانی سلطنت کا سب سے عظیم بادشاہ خسرو پرویز۔ سلطنت کا نصف التھار۔

610: ذوقار کے مقام پر بازنطینی اور ساسانی فوجوں میں لڑائی۔

610-20: عظیم ساسانی سلطنت کی فتوحات کا سیلاپ۔ بازنطینی سلطنت کی پے در پے ٹکست۔

611: ادھر بخشش نبوی اور نزول قرآن کی ابتداء اور ادھر انطا کیہ اور اپامیہ کا سقوط۔

612: کپاڈ کیا پر حملہ۔

614: مشت پر قبضہ۔

615: یروشلم پر قبضہ اور صلیب اصلی [True Cross] پر قبضہ۔

615: پیلوکم اور سکندریہ پر قبضہ۔

616: مصر پر قبضہ۔

617: کالسیدون [Calcedon] پر قبضہ۔

617: ساسانی فوج قسطنطینیہ سے صرف ایک میل کے فاصلے پر۔ بازنطینی سلطنت میں کھرام۔

620: انقرہ اور روڈس پر قبضہ۔

واضح رہے کہ مشرق قریب میں جاری اس خوزیزی کے دوران وہی کا نزول اور رسول پاک کی تحریک کی جدو جہد بھی جاری ہے۔ اور وقت کے میں اسی لمحے میں جب روم مغلوب ہو چکا تھا، اور عیسائی دنیا کی ہمہ گیر مدد و اعانت سے رومنی فوجیں ساسانیوں کی دس سالہ فتوحات اور وسیع علاقوں پر غلبے کے بعد دوبارہ ایک موثر پیش قدی کرنے کے قابل ہو چکی تھیں، جزیرہ نما یہ عرب میں رسول پاک پر اسی تاریخی تناظر میں الہامی ارشادات کا اس طرح نزول ہوتا ہے:-

سورة الروم: (۱) **أَلْهِمَهُمْ أَلْرُومُ** (۲) **فِي أَذْنَى الْأَرْضِ وَهُم مَنْ بَعْدَ غَلَبَهُمْ سَيْغَلَبُونَ** (۳) **فِي بُضْعِ سَيِّنَ لِلَّهِ الْأَمْرُ مِنْ قَبْلِ وَمِنْ بَعْدِهِ وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَخُ الْمُؤْمِنُونَ** (۴) **إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ يَنْصُرُ مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ** (۵)

انسانیت نے بہت دُکھ جھیلے ہیں [1] تمہاری قریبی زمینوں / علاقوں میں سلطنت روم پر غلبہ پالیا گیا ہے [2]، لیکن وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد [3] چندی برسوں کے اندر پھر غالب ہو جائیں گے؛ جو کچھ پہلے ہو چکا ہے اُس پر بھی اللہ کا اختیار تھا اور بعد

از اس جو کچھ ہونے والا ہے وہ بھی اللہ کی منشاء کے مطابق ہوگا۔ اور اس وقت مونین کے لیے اللہ کی مدد و اعانت کے باعث خوشی کا مقام ہوگا [4]۔ وہ اُسی کی مدد و اعانت کرتا ہے جو اس کا مستحق ثابت ہوتا ہے، کیونکہ وہی غلبے اور رحمت والا ہے [5]۔

تاریخ کا ادراک رکھنے والے قارئین اس الہامی فرمان سے بہت کچھ سمجھ سکتے ہیں۔ عصری تاریخ پر نمودار ہونے والے واقعات کے ذریعے انتہائی ذرست ثابت ہونے والے اس الہامی تبصرے اور پیش گوئی کے بعد ہمیں اپنے موضوع کے سیاق و ساق کو مکمل کرتے ہوئے آگے قدم بڑھانا ہیں۔ تو آئیے تاریخ کے آئینے میں مزید گہری نظر ڈالتے ہیں۔

ہر قل کے مشہور زمانہ جوابی مہماں:

622: ساسانی جرنیل شہر بر از کوسوس [Issus] میں شکست۔

623: لازقه [Lazica] اور آرمینیا پر فوج کشی۔ خسر و پرویز کی پسائی۔

624: آرمینیا کی دوسری فوج کشی۔ شہر بر از کی دوسری شکست۔

624: آرزین پر حملہ، [Amida] اور [Cilesia] پر قبضہ [Martyropolis] پر حملہ۔

625: جنگ سروں [Sarus] شہر بر از کی پسائی۔

626: ساسانیوں اور اواروں کا دو جانب سے عظیم بازنطینی سلطنت پر حملہ اور جنگ قسطنطینیہ۔ ساسانیوں اور اواروں کی شکست۔

627: بازنطینی پیش قدی۔ اسیر یا اور میسوپونامیہ پر حملہ؛ نیوا کے قریب ساسانیوں کو شکست۔ خسر و پرویز کا فرار، ہر قل کی مادائیں تک پیش قدی؛ خسر و پرویز کا قتل۔

628: قباد دوم کا ہر قل سے سمجھوئے۔ قباد کے ذریعے اپنے بھائیوں کا قتل۔

629: طاعون کی وباء۔ جزل شہر بر از کی بغاوت اور اس کا قتل۔ خسر و پرویز کی دو بیٹیوں پر وان وخت اور آزری وخت کی حکومت۔

634-629: عظیم ساسانی سلطنت میں طوائف الملوكی۔

ای دوران 630 عیسوی میں غزوہ تبوک اُس وقت پیش آیا جب خبر مدینہ پہنچی کہ روی لشکروں میں سے چالیس ہزار کی نفری کا ایک لشکر عرب پر حملے کے ارادے سے شام میں جمع ہو چکا ہے اور اس کا مقدمہ اجیش بلقاء تک پہنچ چکا ہے۔ دو سلطنتوں کے درمیان جاری ہٹک جنگ کے باعث یہ خطرہ عرصہ دراز سے موجود تھا۔ اس لیے آنحضرت تیس ہزار کے لشکر کے ساتھ بیفس نفس شام روائے ہوئے۔ جوک پہنچ کر معلوم ہوا کہ حملہ کی انواع میں غلط تھیں۔ تاہم آپ نے بیس دن تبوک میں قیام فرمایا۔ اور گرد و پیش کی آبادیوں کے ساتھ مصالحت اور مفاہمت کے بعد مدینہ واپس تشریف لائے۔ اس ہی عرصے کے دوران 632 عیسوی میں رسول پاک کی رحلت ہوئی۔

642-634: تخت پر خسر و پرویز کا پوتا یزد گرد سوم تخت نشین۔

اللہ تعالیٰ نے تو صرف بغیر نام لیے چند اشارے دیے ہیں۔ لیکن یہ یاد رہے کہ نبی پاک کی بعثت اور اسلامی فلاحی ریاست کے قیام کی جدوجہد کے تمام عرصے کے دوران قریبی ہمسایہ علاقوں میں وقت کی ان دو عظیم سلطنتوں کے درمیان ایک 20

سالہ طویل بڑے پیانے کی خون ریزی جاری رہی۔ اور اگرچہ قرآن خصوصاً اس کا نام نہیں لیتا بلکہ لفظ "المَحِیض" کا معرف باللام ہو کر الحیض کے طور پر کسی خاص خون ریزی کے بارے میں استعمال کیا جانا اور نبی پاک کے ذمہ دار اہلکاروں کا اس کے بارے میں استفسار کرتے رہنا، اسی مخصوص اور معروف خون ریزی کی جانب ایک حقی اشارہ ہے۔ سورۃ الروم میں تو بلکہ ایک مخابر سلطنت کا نام لے کر تصریح کیا گیا ہے جو ایک ایسا ہیں ثبوت ہے جو تمام شکوک و شبہات یا ظن و تجھیں کو دور کر دیتا ہے۔

توب اب آئیے ہم دونوں متعلقہ متون کے تصحیح کی جانب چلتے ہیں، اس مکمل تیقین کے ساتھ کہ واقعی تاریخی تناظر نہایت تفصیل سے بیان کر دینے کے بعد اس جدید علمی و شعوری ترجیح کو سمجھنے میں کسی بھی اشکال کا سامنا نہ ہوگا۔ نہ ہی ذہن میں کوئی سوال باقی رہ جائے گا۔

**وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِیضِ قُلْ هُوَ أَذْنِی فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِیضِ وَلَا تَقْرُبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأُثُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمْرَكُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَاِیْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِینَ ﴿٤٢٢﴾**

وہ، یعنی تمہارے اہلکار، تم سے اس جاری خون ریزی کی صورت حال [الْمَحِیض] کے بارے میں بھی دریافت کرتے ہیں، تو ان پر واضح کردہ وہ ایک تکلیف دہ اور قابل نفرت عمل ہے [أَذْنِی]۔ لہذا تم اپنی ماتحت آبادیوں /عوام کو اس خونریزی کی صورت حال سے الگ اور دور رکھنے کا انتظام کرو [اعْتَزِلُوا النِّسَاءَ]۔ اور اس مذموم عمل میں شامل فریقوں کے ساتھ قریبی تعلقات اس وقت تک قائم نہ کرنا جب تک کہ وہ اس حرکت سے اجتناب کی راہ [يَطْهُرْنَ] پر نہ چلنے لگیں۔ بس جب وہ اس غلط کاری سے رُک جائیں تو ان سے اس انداز میں تعلق رکھنا جیسے کہ اللہ کا حکم ہے۔ بیشک اللہ غلط راہ سے واپس لوٹ آنے والوں [التَّوَاِیْنَ] کو پسند کرتا ہے اور انہیں بھی جوغلط کاریوں سے پاک ہونے کے لیے خاص اہتمام کرتے ہیں [الْمُتَطَهِّرِینَ]۔

روایتی ترجم کے برعکس، جہاں اس آیت میں لفظ النساء کو غلط العام کے تحت نہ صرف عورتوں ہی کے ساتھ، بلکہ یوں یوں کے معنی میں بھی تعبیر کر دیا گیا ہے، اس خالص علمی و شعوری ترجیح میں یہ بلا جواز تحریف باطل ثابت کردی گئی ہے، کیونکہ نساء اگر کہیں عورتوں کے معنی میں لیا بھی گیا ہے، تو پھر بھی یوں کا معنی تو ظاہر ہے کہ ہرگز نہیں دیتا۔ لہذا یہ بھی اُسی بڑے دھوکے کا ایک حصہ ہے۔ اب یہی دیکھ لیں کہ ایک طرف تو یہ ڈھونگی روایتی ترجم "عورتوں - النساء" کا اس صورت حال سے پاک ہو جانے کا ذکر کرتے ہیں، لیکن دوسری طرف فوراً ہی بعد تو ایں "او" "متظہرین" کے الفاظ، یعنی ان ہی توپہ کرنے اور پاک ہو جانے والوں کے لیے "جمع مذكر" کے صیغہ استعمال کیے گئے ہیں؟؟؟ آخر کیوں؟

فلہذا یہ اس امر کا کافی و شافی ثبوت ہے کہ یہاں نساء سے کمزور عوام ہی مراد ہیں، خواتین نہیں۔ پھر آپ نے یہ بھی دیکھ لیا ہے کہ "اعترل النساء" سے مراد نساء یعنی عورتوں سے دور ہو جانہ نہیں، بلکہ نہتے کمزور عوام کو جنگوں کے عمل سے الگ اور دور کر کے محفوظ کر دینا ہے۔ کوئی حد ہوتی ہے بے قوف بنانے کی؟

دوسری جگہ لفظ "الْمَحِیض" کا اطلاق سورۃ طلاق میں آیا ہے۔ یاد رہے کہ طلاق میاں یوں کی علیحدگی کے معنی میں قرآن میں استعمال ہی نہیں کیا گیا، بلکہ عوام یا آبادیوں کے یوں یا علاقوں کو آزادی دینے، خود مختاری دینے کے معنی میں لیا گیا ہے اور اس کا

تاظر حکومتی گرنس ہے۔ کوئی نام نہاد عالمی قوانین نہیں۔ [مطالعہ فرمائیں "موضوعاتی تراجم کی قلمبر 2 # طلاق کا دھکا" - جہاں یہ آیت اپنے پورے سیاق و سبق میں ترجیح کی گئی ہے]۔  
یہی علیحدگی اور خود مختاری عطا کرنا سورۃ کے اس خاص متن کا سیاق و سبق ہے۔ اور کوئی بھی امر صحیح میں مشکل بیش آئے تو حوالہ دیے گئے تحقیقی مضمون کے تسلسل میں مطالعہ کرنا ضروری ہوگا۔ کیونکہ یہاں بنیادی طور پر بات علیحدگی اور خود مختاری کی، ہی ہو رہی ہے۔

الْحِيْضَ كَيْ وَضَاحَتْ كَيْ لَيْ اِيْكَ اوْ آيَتْ 65 / 5 :

**وَاللَّائِي يَئْسَنَ مِنَ الْمَحِيْضَ مِنْ نِسَاءِكُمْ إِنِ ازْتَبَثُمْ فَعِدَّتِهِنَّ ثَلَاثَةً أَشْهُرٍ وَاللَّائِي لَمْ يَحْضُنْ وَأَوْلَاتُ الْأَحْمَالِ أَجْلُهُنَّ أَنْ يَضْعُنَ حَمْلَهُنَّ وَمَنْ يَتَقَوْلَهُ يَجْعَلَ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا ۝ ۝ ۝ ذَلِكَ أَمْرُ اللَّهِ أَنَّ لَهُ إِلَيْكُمْ وَمَنْ يَتَقَوْلَهُ يُكَفَّرُ عَنْهُ سِيَّاتِهِ وَيُعَظِّمُ لَهُ أَجْرًا ۝ ۝ ۝**

ما تھت عوام کا وہ حصہ جو اس جاری خون ریزی کے اثرات سے متاثر بھی ہو چکا ہو [یئسن]، اگر تم ان کے بارے میں فیصلہ کرنے میں شش و پنج میں بٹلا ہو [از تبیث]، تو اس کام کے لیے تمہارے پاس فیصلے تک پہنچنے کی ڈیڈ لائن تین ماہ کا عرصہ مقرر کی جاتی ہے۔ اور وہ آبادیاں جو خون ریزی سے متاثر نہیں ہوئی ہیں اور وہ بھی جن پر فرائض یا ذمہ دار یاں عائد کی گئی ہیں، ان کی علیحدگی/ خود مختاری کے لیے ڈیڈ لائن ان کے فرائض و ذمہ دار یوں کی ادائیگی پر منحصر ہے [یضعن حملهن]۔ اس ضمن میں میں سے جو بھی اللہ کے قوانین کی پرہیز گاری سے کام لیں گے اللہ اپنے ارادے سے ان کا راستہ آسان کر دے گا۔ یہ اللہ کا حکم ہے جو تم سب کو دیا گیا ہے۔ اور جو بھی پرہیز گاری کے ساتھ کام کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی کمزوریوں پر پردہ ڈال دے گا اور اس کے اجر میں اضافہ فرمائے گا۔

سیاق و سبق اور بات کا تسلسل واضح کرنے کے لیے اس سے مابقی آیت 65 / 1 کا یہاں مطالعہ ضروری ہو گا جس کے ساتھ یہاں دراصل بات شروع ہو رہی ہے۔

آیت 65 / 1 [الطلاق]

**يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ**  
نبی، یا سربراہ مملکت، اگر تم عوام کے ایک مخصوص علاقوائی یونٹ [النساء] کو الحاق سے علیحدہ کر دیتے ہو [طلّقُهُنَّ]، تو تمہیں چاہیے کہ انہیں یہ آزادی ایک تیاری کے لیے متعین شدہ مدت کے مطابق [لِعَدَّتِهِنَّ] دیا کرو؛ اور اس مدت کا باقاعدہ حساب رکھو۔  
امید و ا Quartz ہے کہ بات واضح ہو گئی ہوگی۔ خالص علمی استفسارات کو خوش آمدید کہا جائے گا۔

قارئین کو اپنے کسی مشن کو کامیابی تک پہنچانے کے لئے بہت گہرا شعور اور بہت بڑا دل درکار ہوتا ہے۔ جن لوگوں کے اندر یہ صلاحیت نہ ہو، وہ صرف تاریخ کے کوڑا خانے میں جگہ پاتے ہیں، خواہ دیواری پوسٹروں میں وہ اپنے آپ کو تاریخ ساز کیوں نہ لکھتے رہے ہوں، قرآنی مشن پہاڑ کی چڑھائی ہے، محض ڈرائیک روم بیٹھ کر محفل لگانے کا نام نہیں، یہ جان کو جھوکوں میں ڈالنے کا نام ہے

## انسانی زندگی کی کہانی کچھ قرآن کریم کچھ روایات کی زبانی [2]

یہ چاروں آیات کریمہ اس بات پر بحث قاطعہ ہیں کہ انسان کی پیدائش زمین سے ہوئی۔ مختلف مقامات پر ہوئی جس جگہ بھی مٹی حاصلہ من میں بد بودار ہو کر سڑکی وہاں ہر جگہ سلا لہ میں طین انسانی جو ثومہ حیات Ameeba سڑے ہوئے گارے سے پیدا ہو گئے اور کہا ارض کے مختلف مقامات پر زندگی نمودار ہو گئی۔ واحدہ سے مراد حضرت آدم یا ان کا بات یا پتلانہمیں ہے۔ بلکہ پوری نوع آدم کا جو ثومہ حیات مراد ہے۔ جزو میں میں موجود جملہ عناصر کا جو ہر ہے۔ وہ آیت کریمہ جس سے ”نفس واحدہ“ کے معنی صرف انسانی نطفہ ہی ہو سکتا ہے۔ درج ذیل ہے۔ یہ آیت کریمہ غور کی مقاصی ہے۔ اور اس میں کچھ عربی قواعد بھی زیر غور آئیں گے۔ اس لئے اس کو آسان کرنے کے لئے چند حواشی ساتھ ساتھ درکردیے گئے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے **هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا**۔ [189-7] وہی جس نے تم کو بنایا ایک جان سے اور اس سے بنایا اس کا جوڑا کہ اس پاس آرام پکڑے۔ پھر جب مرد نے عورت کوڑھانپا حمل رہ لکا حمل پھر چلنے لگی اس سے پھر جب بوجھل ہوئی دونوں نے پکارا اللہ اپنے رب کو اگر تو ہم کو بخشنے کا بھلا چنگا تو ہم تیرا شکر کریں گے۔ قرآن کریم میں نفس واحدہ کی ترکیب [6, 98/7, 4/1-6] 31/189, 6/28-39

پانچ مرتبہ آئی ہے اور صفت موصوف میں تو نوین تعریف جس کے لئے آئی ہے۔ مفسرین کرام نے ہر پانچ جگہ اس سے مراد آدم کا پتلا یا آدم کا بہت، بحیثیت ایک Finished Product کے لئے ہی استعمال کیا ہے۔ لیکن قرآن کرم پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک زندگی انسانیت کے معیار پر نہیں آتی تو نفس واحدہ کی اصطلاح جو ثومہ حیات Life Cell کے لئے استعمال کی گئی ہے جیسا کہ سابقہ مضمون میں آیات کریمیات کے حوالہ سے تحریر کیا گیا ہے۔ لیکن جب زندگی حیات The Life انسانی پکیر میں منتقل ہو گئی اور تو الدو تسلسل کا سلسلہ شروع ہو گیا تو پھر نفس واحدہ سے مراد انسانی نطفہ ہے۔ جیسا کہ ابھی مندرجہ بالا آیت کریمہ [189-7] کے ذیل میں ثابت کیا جائے گا۔ کہ اگرچہ مفسرین کرام نے اس سے مراد آدم کا بات لیا ہے لیکن یہ آیت کریمہ کی طرح بھی اس مفہوم کو ادا نہیں کر سکتی بلکہ اس سے مراد انسانی نطفہ ہی ہو سکتا ہے۔ پورے قرآن کریم کی کسی جگہ بھی آدم کے بت کا ذکر نہیں ہے۔ اس جگہ یہ باست تحریر کرنے کو دل مجبور کرتا ہے کہ علامہ مشرقی نے اپنی بلند پایہ کتاب حدیث القرآن میں جملہ بہت سی باتوں میں دو باتیں بہت قیمتی تحریر فرمائیں ہیں جن میں سے ایک یہ کہ ”انسان کی پیدائش کا طریقہ اس کے شرف و مقام کے مطابق نہیں ہے۔ اس طریقہ پیدائش سے انسانی مقام کی عظمت محروم ہوتی ہے۔“ انہوں نے اپنے خیال ظاہر فرمایا ہے کہ اس بات کا بھی امکان ہے کہ شاید لاکھ دولاکھ سال بعد یا عرصہ طویل کے بعد انسانی کی پیدائش کا یہ طریقہ بدل جائے اور انسان کی اور باعزت طریقہ سے پیدا ہونا شروع ہو جائے۔

آیت کریمہ مندرجہ ذیل میں [189-7] کا ترجمہ درج کر دیا گیا ہے جس سے مراد مفسرین کرام نے آدم کا بات لیا ہے۔ اب

اس کا درست مفہوم عرض خدمت عالی ہے۔ **هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ** مفسرین کرام سخاً فعلِ اپنی کے معنی میں لیا ہے۔ لیکن یہ قرآن کریم کا اسلوب بیان ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ کو اگرچہ اپنی کے صیغہ میں استعمال کرتا ہے لیکن اس سے مراد حال اور استمرار ہوتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوا: **الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَ السَّمَاءَ بِنَاءً وَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ النَّمَرُودَ رِزْقًا لَكُمْ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا وَ أَنْتُمْ تَغْلَبُونَ** [2-22] اور اثاثاً آسمان سے پانی پھر نکالے اس سے میوے کھانا تھرا۔ جس نے تھراے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھٹ بنا یا اور آسمان سے پانی اُتار کراس سے پھل پیدا کر کے تمہیں روزی دی، خبردار باوجود جانے کے اللہ کے شریک مقرر نہ کرو [ترجمہ۔ شاہ عبدالقدار]

یہاں انزل و اخرج دونوں ماضی ہیں لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ ہے کہ آسمان سے بارش ہوتی ہے اور اس کے سب پھل پیدا ہوتے ہیں۔ جس طرح اس سنت جاریہ استمرائی کے لئے انزل و اخرج کے الفاظ ماضی برائے مضارع آئے ہیں، اسی طرح آیت کریمہ مندرجہ بالا میں خلق، حملت، الفاظ مضارع کے لئے آئے ہیں۔ اس سلسلے میں اس ترجیح کی تائید کے لئے یہ آیات کریمات بھی ملاحظہ فرمائیں [17-13، 164-2] نفس واحدہ سے یہاں وہ جرثومہ حیات مراد ہے۔ جواب نطفہ کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ پھر نوع انسانی مرد اور عورت سے اسی سے پیدا ہوتے چلے آرہے ہیں۔ اسی نفس واحدہ، جرثومہ حیات نطفہ انسانی میں اس کا جوڑا رکھ دیا گیا ہے۔ یعنی مذکرا اور مونث۔ یعنی اسی نطفہ انسانی سے جس میں ذکوریت و انوثیت دونوں کی صلاحیت موجود ہے۔ نفس واحدہ کا مفہوم جرثومہ حیات یا نطفہ انسانی لینے سے قرآن کا صحیح مفہوم واضح ہو جاتا ہے اور تمام خلاف قرآن نظریات رفع ہو جاتے ہیں۔ آج سے چودہ سو سال پہلے اس تاریک دور میں زندگی کی ابتداء اس کی نمودار اس کی تبدیلیوں پر جو روشنی قرآن کریم نے ڈالی ہے اس سے اس کا وحی الہی ہونا ثابت ہوتا ہے۔

ضمون زیرنظر میں زندگی کی نمودار اس کی منزل بہ منزل ترقی بیان کی گئی ہے۔ کہ زندگی جرثومہ اولین سے ترقی کرتے کرتے اور مختلف پیکر بدلتے بدلتے اب پیکر انسانی میں موجود ہے جس کے نمائندے ہم اور آپ سب لوگ ہیں۔ اب سوال مزید ترقی کا ہے، کہ آیا یہ مزید ترقی کرے گی یا اب اس کی تمام منازل طے ہو گئیں ہیں۔ قرآن کریم کی رو سے زندگی مزید مدارج طے کرے گی۔ ہزاروں سالوں میں جو جسمانی ترقی ہوئی ہے اس میں طبیعتی قوانینیں بروئے کار رہے ہیں اور اب بھی ہمارے اجسام پر انہیں طبیعتی قوانین کا اطلاق ہوتا ہے۔ سردی گرمی بھوک پیاس، ان تمام حالات پر یہ قوانین ہی اثر انداز ہوتے ہیں۔ لیکن زندگی پر ان قوانین کا اطلاق مطلقاً نہیں ہوتا ہے۔ زندگی کی بالیدگی و اضلال کے لئے وہی الہی کے قوانین کا اطلاق ہوتا ہے اور یہ وہ مقام ہے جہاں انسان وحی الہی کا محتاج ہوتا ہے۔ کیونکہ انسان کے خود ساختہ قوانین کا اطلاق زندگی پر نہیں ہو سکتا۔ وحی الہی مستقل اقدار وہ روشنی کا بینار ہیں، جن سے زندگی کی نشوونما ہوتی ہے اور ہیں وہ اقدار ہیں جن کا جس قدر راتباع کیا جائے گا یہ وہ حن کو جس قدر اپنے اندر منعکس کیا جائے گا اسی قدر زندگی کی نشوونما ہو جائے گی۔ اس کا واضح طریقہ یہ ہے کہ اگر انسان کے ذاتی مفاد اور کسی مستقل قدر میں ہے تو اگر کسی نے ذاتی مفاد کو ترجیح دی تو اس کی زندگی کو نقصان پہنچے گا۔ لیکن اگر کسی نے اپنے ذاتی مفاد کی قطعاً کوئی پر انہیں کیا اور مستقل قدر کو ترجیح دے کر اس پر عمل کیا تو اس کی زندگی میں نشوونما ہو جائے گی۔ مثال کے طور پر آگر آپ کو سخت عست کا سامنا ہے اور اس حالت میں بچوں کی فیض ادا کرنی ہے لیکن آپ کے پاس اس کام کے لئے کوئی رقم نہیں ہے اور

آپ کو گزارہ کرنے میں بھی سخت پریشانی ہے اور آپ کو آسانی سے رشت بھی مل رہی ہے، اب آپ کے سامنے دو راستے ہیں۔ آپ اپنا ذاتی مفاد پیش نظر رکھتے ہیں اور رشت لے لیتے ہیں تو آپ نے اس مستقل قدر کی مخالفت کی جس میں حرام مال کھانے و موت کیا ہے۔ لیکن اگر آپ نے اس مستقل قدر کو پیش نظر رکھا اور یہ عزم کیا کہ میں حرام مال کبھی نہیں لوں گا، تو آپ نے مستقل قدر کو ترجیح دی اس طرح آپ کی زندگی میں نشوونما حاصل ہوگی۔ مستقل اقدار پر عمل کرنے سے ہی زندگی ترقی کرتی ہے۔ یہ صرف وہی الہی کی رو سے ہو سکتا ہے۔ کیونکہ عقل انسانی مستقل اقدار طے کرنے سے قادر ہے۔ وہی کے مستقل اقدار کے علاوہ کوئی اور قانون زندگی کو نشوونما نہیں کر سکتا۔

الله تعالیٰ کا دیا ہوا ضابط حیات جو قرآن کریم کے فتن میں محفوظ ہے اس کی اساس مستقل اقدار پر ہے۔ اس لئے جس جگہ بھی اللہ تعالیٰ کا یہ ضابط حیات نافذ ہوگا اور جہاں بھی اس کی اطاعت اور فرمائی پڑی ہوگی وہاں از خون نفس انسانی میں بالیدگی ہوتی چلی جائے گی۔ طاغوتی نظام جوانانوں کا خود ساختہ قوانین پر مبنی ہوتا ہے اس کے اکثر قوانین چلی جائے گی۔ طاغوتی نظام جوانانوں کا خود ساختہ قوانین پر مبنی ہوتا ہے اس کے اکثر قوانین میں مستقل اقدار کے قوانین کے خلاف ہوتے ہیں۔ مثلاً مستقل اقدار کی رو سے ربوہ رام ہے، کسی بھی مبنی بر بول معاشرہ میں انسان کی زندگی ترقی نہیں کر سکتی۔ خواہ کوئی کتنی ہی نمازوں پڑھ لیا ورکتے ہی روزے رکھ لے۔ اسی طرح جس معاشرہ میں ملکیت ملکیت زمین جائز ہوگی جو مستقل قدر کے خلاف ہے۔ اس معاشرہ میں زندگی ترقی نہیں کر سکتی۔ زندگی کی نشوونما پرورش کے لئے توابدی ہے کہ وہ نظام جاری ہو جو مستقل اقدار پر قائم ہو۔ اس معاشرہ میں جس میں مستقل اقدار جاری ہوں اس میں زندگی از خود ترقی کرتی چلی جاتی ہے۔ کیونکہ ہر وقت مستقل اقدار از خود مسلسل منعکس ہوتی جاتی ہے۔ اس لئے مومن وہ ہے جو قرآن کریم کو اللہ کی طرف سے عطا کر دہ اور کامل و آخری ضابط حیات خیال کرے۔ ہر مومن کا فرض ہے کہ وہ اس دنیا میں نظام الہی [جو قرآن کریم پر مبنی ہو] کے قیام کے لئے پوری پوری کوشش کرے۔ وہ جس ملک و مقام میں بھی ہو دیں سے اس جدوجہد کو شروع کرے۔ کیونکہ نظام الہی کی مقام یا کسی دورے مختص نہیں ہے۔ اس کی پوری پوری کوشش پہنچ ہو کر تمام نظام ہائے حیات کو کھیڑ کر پھینک دے اور اللہ کی زمین پر صرف اور صرف اللہ کے قانون کو اور نظام کو جاری کر دے، کیونکہ اسی نظام کی اطاعت اللہ اور رسول کی اطاعت ہے اور اسی سے زندگی میں بالیدگی ہوتی ہے۔ جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کرنا چاہتے ہیں اور مستقل اقدار کی اطاعت سے اپنی زندگی میں ترقی کے خواہاں ہوں ان کے لئے از بکہ ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا نظام جاری کریں۔ یاد رکھیے! جو لوگ اللہ کے نظام کے علاوہ کسی بھی نظام کے ماتحت زندگی گزارنے کے خواہاں ہوں ان کی زندگی کبھی نشوونما حاصل نہیں کر سکتی اور وہ اللہ اور رسول کے باغی اور قرآن کے الفاظ میں مجرم ہیں [6-123] خواہ وہ کتنے ہی نمازوں اور روزوں کے پابند ہوں۔

مخقریہ کے مستقل اقدار کی پابندی سے زندگی ترقی کرتی ہے اور اس میں استحکام پیدا ہوتا ہے۔ موت کے وقت اگر یہ اتنی مضبوط ہو گئی کہ موت کے واقع ہونے کے بعد بھی اس میں مزید ترقی ہوتی چلی جائے گی اور یہ ارتقاء کر کے اگلی نوع میں منتقل ہو گئی تو یہ اس کی جنت ہے اور موت واقع ہونے بعد اس میں مزید ترقی نہیں ہوتی اور یہ اگلی نوع میں منتقل نہیں ہوتی تو یہ اس کی جہنم ہے۔ جنت اور جہنم کوئی مقامات نہیں ہوں گے اس میں لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق جگہ دی جائے گی بلکہ یہ زندگی کی کیفیات کی

تغیرات ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس اگلی نوع کے حواس پانچ کے بجائے سات، آٹھ، یا نو دس ہوں۔ حیوانات اور انسان میں صرف ایک حواس کے اضافے سے اتنا عظیم فرق دونوں نوں میں پڑ جاتا ہے۔ اسی اسے اندازہ ہو سکتا ہے کہ چار یا پانچ حواس مزید ہونے سے اگلی نوع کی صلاحیتوں کی کیا کیفیت ہوگی؟ اب انسان کی مزید ترقی جسمانی نہیں بلکہ زندگی کی ترقی ہوگی۔ جس ترقی کی کیفیات کو صرف تغیرات سے ظاہر کیا جاسکتا ہے۔

یہاں تک جو خیر کیا گیا ہے اس کا شخص یہ ہے کہ زندگی نفس واحدہ سے شروع ہوتی ہے، انسانیت کے معیار سے پیشتر نفس انسانی سے مراد جرثومہ حیات ہے۔ جب زندگی انسانیت کے معیار پر پہنچ گئی اور تو الدہ بنابل کا سلسلہ شروع ہو گیا تو پھر نفس واحدہ انسانی سے مراد انسانی نطفہ ہے۔ ان دونوں نظریات کی تائید میں متعلقہ آیات پیش خدمت عالی کرو دی گئیں۔ نیز یہ بھی ثابت کر دیا گیا کہ زندگی صرف ایک آدم سے شروع نہیں ہوئی بلکہ جس جگہ بھی جرثومہ حیات پیدا ہوا اسی جگہ زندگی کی ابتداء ہو گئی اور زندگی مختلف مقامات سے بیک وقت شروع ہوئی ہے۔ یہاں تک تو سب علماء اہل قرآن کا اتفاق ہے لیکن انسانیت کی منزل میں زندگی کیسے آتی ہے اس میں علماء اہل قرآن کا اختلاف ہے۔ یہاں سے زندگی کی کہانی کا دوسرا رخ دکھایا جاتا ہے۔

کہانی کا دوسرا رخ، خالص قرآنی زاویہ نگاہ: ہم مسلمانوں میں بھی روح کا دنیا میں جس قدر بھی ادیان اور مذاہب ہیں وہ سب روح کے وجود کا اقرار کرتے ہیں۔ اسی مسلمانوں میں بھی روح کا عقیدہ نہیں اہم مقام رکھتا ہے۔ روحانی تذکیرے پر ہی بحاجتِ اخروی کا انعام کیا جاتا ہے۔ لیکن زیر تذکرہ خالص قرآنی فکر کا حامل طبقہ علماء کسی روح، نفس کے وجود کا قائل ہی نہیں ہے۔ اس طبقہ عالیہ کے زدیک انسان کا جسم ہی اللہ تعالیٰ کا شاہکار عظیم ہے اور اس کو اور اسی کو قیامت کے روز دوبارہ زندگی عطا کی جائے گی۔ اسی جسم انسانی سے ہی ساری باز پرس اور جواب ہی ہوگی۔ ان کے زدیک انسان جسم اور روح کا مجموعہ نہیں ہے۔ بلکہ اجزاء ترکیبی سے عبارت ہے، روح نام کی کوئی چیز انسان کے اندر نہیں ہے جس کی وجہ سے انسان میں زندگی ہو کہ اگر وہ جسم انسانی میں داخل ہو گئی تو وہ زندہ ہے اور اگر وہ نکل گئی تو وہ مردہ ہو گیا۔ روح اور رسم مانے والوں کا نقطہ نگاہ یہ ہے کہ جسم بے شعور ہے اور روح بے شعور ہے اور جب کسی کو مخاطب کیا جاتا ہے تو یہ مخاطب اس کی روح سے ہوتا ہے۔ جسم سے نہیں ہوتا کیونکہ جسم تو شعور نہیں رکھتا۔ لیکن قرآن کریم کا نظریہ یہ ہے کہ شعور جسم ہی کا ایک حصہ ہے۔ جسم سے الگ شعور والی کوئی چیز نہیں ہے۔ شعور جسم کے ساتھ ہی پیدا ہوتا ہے اور اسی کے ساتھ مر جاتا ہے۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے گیف تکفرون بالله وَكُنْتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَيْنَاكُمْ ثُمَّ يُمْهِنُنَّكُمْ ثُمَّ يُخْيِنُنَّكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ [28-2] تم اللہ کا انکار کیسے کر سکتے ہو جکرم نیست تھے پھر اللہ نے تمہیں زندہ کیا پھر تمہیں مارے گا پھر تمہیں زندہ کرے گا پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

بانکل ظاہریات ہے کہ آیت کریمہ میں مخاطب نوع انسانی کے اس حصہ سے ہے جس میں شعور موجود ہے۔ بے شعور حصہ موجود ہے۔ بے شعور حصہ کو تو مخاطب کیا ہی نہیں جاسکتا، شعور کو ہی مخاطب کر کے کہا جا رہا ہے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے زندگی دی ہے شعور والی چیز کو ہی کہا جا رہا ہے کہ پھر تمہیں موت دے گا اور پھر دوبارہ زندہ کرے گا۔ اس آیت کریمہ سے واضح نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ شعور انسان کے اسی حصہ میں ہے۔ جس پر انسان کی زندگی اور موت کے عمل کا اطلاق ہوتا ہے۔ اور وہ جسم انسانی ہے۔ جب جسم انسانی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے تو زندہ ہوتا ہے اور جب موت آتی ہے تو جسم کو ہی موت آتی ہے۔ لہذا آیت کریمہ مذکورہ بالا کا

خاطب جسم ہی ہے جس پر زندگی و موت کا عمل وار ہوتا ہے، شعور بھی جسم ہی کا ایک حصہ ہے جو جسم کی پیدائش کے ساتھ پیدا ہوتا ہے۔ اور جسم کی موت کے ساتھ مر جاتا ہے۔ لب جسم انسانی کے علاوہ روح نام کی کوئی چیز نہیں ہے جس میں شعور ہوا و رہے بھی نہیں۔ تائید مزید تو کیدو شیق کے لئے عرض ہے کہ یہاں محل بحث لفظ گنتہم ہے کہ گنتہم سے مراد باری تعالیٰ کا کیا ہے اگر اس سے مراد صرف جسم ہے تو جسم بے شعور ہے اور تخاطب کے قابل نہیں ہے اس لئے روح جو شعور کی حامل خیال کی جاتی ہے۔ وہ بھی تخاطب کے قابل نہیں ہے اس لئے روح جو شعور کی حامل خیال کی جاتی ہے، وہ بھی تخاطب میں شامل کرنا ضروری ہے۔ لیکن اگر کوئی تخاطب کا ایک حصہ قرار دیں تو روح کو مارنا اور زندہ کرنا تسلیم کرنا پڑے گا۔ اور ماننا ہو گا کہ موت کے وقت جسم و روح کو مارنا اور زندہ کرنا تسلیم کرنا پڑے گا۔ اور ماننا ہو گا کہ موت کے وقت جسم و روح دونوں مر جاتے ہیں اور قیامت کے دن دونوں پیدا کئے جائیں گے۔ لیکن روح کے جانے والے اس کے مرنے کے قابل نہیں تو پھر لا محالہ سے ذیل میں ایسا جسم ماننا پڑے گا کہ شعور اس کا ہی ایک حصہ ہو جو جسم کے اجزاء ترکیبی سے پیدا ہو گیا۔ جب جسمانی عناصر کمزور ہوتے ہیں تو شعور بھی کمزور ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ہمیں بھین کی باتیں یاد نہیں رہتیں جب عناصر مضبوط ہو جاتے ہیں تو شعور بھی کمزور ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ہمیں بچپن کی باتیں یاد نہیں رہتیں جب عناصر مضبوط ہو جاتے ہیں تو شعور بھی پختہ ہو جاتا ہے۔ تائین روح کا عمومی نظریہ یہ ہے کہ استرا جمل کے کچھ عرصہ بعد جنین کے اندر روح ذاتی جاتی ہے جس سے اس جنین میں روح پیدا ہو جاتی ہے اور جب انسان متاثر ہے تو روح جسم انسانی سے نکل کر عام برزخ میں چلی جاتی ہے، قیامت کے دن جب سب کو باز پرس کے لئے دوبارہ زندہ کیا جائے گا تو یہی روحلیں سب کے جسم میں داخل کر دی جائیں گی۔ روح خود غیر فانی ہے اس پر موت کا اطلاق نہیں ہوتا۔

اول تو یہ نظریہ ہی غلط ہے کہ جنین مردہ ہوتا ہے اس میں روح داخل کی جاتی ہے۔ جنین تو زندہ ہوتا ہے یہاں تک کہ اس میں رجولیت اور انوٹیکے دونوں جرثومے موجود ہوتے ہیں۔ اس میں زندگی کے لئے روح کو داخل کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ جنین حرم مادر میں جو پانچ مراحل و منازل طے کرتا ہے، قرآن کریم نے ان کا ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے ۱۳م خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ ..... [14-23] یہ مراحل نطفہ سے علاقہ مضمضہ استخوان کسوہ عظام اور انسانی پچ کی شکل ہے۔ نطفہ کو ان منازل میں شامل نہیں کیا کیونکہ نطفہ خود جاندار ہوتا ہے اگر خود نطفہ بے جان ہوتا تو وہ اتنی منازل کس طرح طے کر سکتا تھا؟ غور کی مقاضی تو یہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنین کے تمام مراحل تفصیل سے بیان فرمائے لیکن کسی جگہ بھی ادخال روح کا ذکر تک نہیں فرمایا۔ اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کریم ادخال روح کے نظریے کی تائید نہیں فرماتا۔

سورہ روم میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے: **أَللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ قَنْ ضُغْفَ نَمْ جَعَلَ هُنَّ بَعْدِ ضُغْفٍ قُوَّةً نَمْ جَعَلَ هُنَّ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُغْفًا وَّشَيْبَةً .....** [30-54] اللہ وہ ہے جس نے بنا یا تم کو کمزوری بڑھا پا سفید بال [ترجمہ شاہ عبدالقار] اس آیت کریمہ میں بچپن اور بڑھاپے کو کمزوری کا زمانہ اور جوانی کو قوت کا زمانہ شمار کیا گیا ہے۔ بچپن اور بڑھاپے دونوں حالتوں میں جب جسم کمزور ہوتا ہے تو شعور بھی کمزور ہوتا ہے اور درمیان کا دور جو جوانی کا دور ہے اس میں جسم کمزور ہوتا ہے تو شعور مضبوط ہوتا ہے۔ انسانی شعور کے کمزور اور قوی ہونے کے مشاہدے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ جس چیز کو عام طور پر روح کہا جاتا ہے وہ اصل میں شعور ہی ہے جو انسانی جسم کا ایک حصہ ہے اس سے الگ کوئی اور چیز نہیں ہے۔ اس طرح جب جسم

مرجائے گا تو شعور بھی مرجائے گا۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی غور طلب ہے کہ روح کوئی الگ چیز ہے اور وہ شعور والی ہے تو لوگ دماغی تو ازان سے محروم ہیں اور شعور سے عاری ہوتے ہیں تو کیا ان کی روح نہیں ہوتی؟

## نفع روح

نفع روح کا ذکر قرآن کریم میں دو مقامات پر آتا ہے، ایک جگہ [29-15] اور دوسری جگہ [38-72] دونوں جملہ الفاظ بالکل ایک طرح آئے ہیں، ارشاد ہوتا ہے: فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سَجَدِينَ [15-29] اسی آیت کے الفاظ سے ہمارے مفسرین کرام سے لغزش ہوئی، انہوں نے پہلے تو اللہ تعالیٰ کی روح تسلیم کی، پھر اس روح کا کچھ حصہ انسان میں ڈالا حالانکہ اللہ تعالیٰ تو نہ روح اور جسم کا مرکب ہے کہ اس کی کوئی الگ روح ہو اور اس نے اس کا ایک حصہ انسان میں انسان میں ڈالا اس مقدار کے مطابق انسان بھی الہ تھہرا۔ دوسری وجہ اس نظریہ کی تغلیط یہ ڈال دیا ہو۔ اگر اس نے اپنی روح کا حصہ انسان میں ڈالا اس مقدار کے مطابق انسان بھی الہ تھہرا۔ دوسری وجہ اس نظریہ کی صفت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مثل کوئی چیز نہیں ہے اور یہ نظریہ کہ انسان میں بھی اس کی روح موجود ہے اس کے بے مثل [احمد] ہونے کی صفت جاتی رہتی ہے، بس ان دو وجہات پر سابقہ مفسرین کرام کا نظریہ تبلی کرنے کے قابل نہیں ہے۔

قرآن کریم نے تو نَفَخْ فِيهِ مِنْ رُّوحِه [39-9] اور اللہ نے اس میں اپنی روح پھونکی کا نتیجہ بتایا کہ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ [32-9] انسان کو سمع و بصر یعنی ذرائع علم عطا فرمائے۔ اس آیت کریمہ نے نہایت صاف طور پر واضح فرمادیا کہ مِنْ رُّوحِه کے الفاظ میں جس تعلیم کا ذکر کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ وہ کانوں، آنکھوں اور دماغ سے کام لینے والا ہو گیا۔ واضح رہے کہ حصول علم و دانش و بینش انہیں اعضاء سے متعلق ہیں۔ انہی کے معفت انسان کا کائنات کی تحریر کرتا ہے۔ مِنْ رُّوحِه سے مراد عقل و دانش اور فہم و فراست کی وہ خصوصی خاصیت ہے جو صرف انسان کو ہی دی گئی ہے۔ مندرجہ بالا آیات کریمہات [15-25] = [38-72] سے بھی اس مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔۔۔ استواء کے معنی ہیں ہر قوت کا صحیح تاب کے ساتھ موجود ہونا السوی اس اس چیز کو کہا جاتا ہے جو ہر اعتبار سے افراط و تفریط سے محفوظ ہو اور ٹھیک شاک تاب کر رہتی ہو۔ جب جسم انسانی کا تو یہ ہو جاتا ہے اور جسمانی عناصر کی ترتیب درست ہو جاتی ہے، تو انسانی جسم میں از خود شعور پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی کو قرآن کریم نے نفع روح سے موسم کیا ہے۔

قرآن کریم میں روح کا لفظ بیش مقامات پر آیا ہے۔ نزول قرآن کریم کے وقت یہ روح کے معانی میں استعمال نہیں ہوتا تھا۔ مروایات کے بعد جب بوعباس کے دور میں ہمارے ہاں فلسفہ در آیا تو فلسفہ کی اصطلاح بھی رائج ہو گئیں۔ فلاسفہ قدیم روح کا لفظ اسی اصطلاح کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ جسے اب ہم روح [Soul] کے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ ہمارے مفسرین نے بھی فلاسفہ سے متاثر ہر کras کا مفہوم وہی اصطلاحی روح لے لیا۔ ورنہ نزول قرآن کریم کے وقت یہ لفظ فلسفی کی اس اصطلاح کے معنی میں استعمال نہیں ہوتا تھا۔ قرآن کریم یہ لفظ جو بس جگہ استعمال ہوا ہے تو کہیں وہی کے معنوں میں اور کہیں وہی حاصل کرن کے معنی میں آیا ہے اصطلاحی روح سے اس کا دور کا بھی تعلق نہیں۔ تین مرتبہ روح قرآن کریم کے معنی میں آیا ہے ] 52-52 = 97-4 [ 16-2 = 17-84 = 40-15 = 102-16 [ اور [ 193-26 ] چار مرتبہ حضرت

یعنی کے لئے۔ بعنوان وحی پانے والے [171-4 = 91-21 = 66-12] ایک مرتبہ [38-78] میں جملہ انبیاء کے لئے۔  
یہ طرح باقی تمام مقامات میں بھی وحی سے متعلق آیا ہے۔ سارے قرآن کریم میں کسی جگہ بھی انسانی روح کا ذکر نہیں آیا ہے۔

## حیات الشہداء

حیات الشہداء کے متعلق جو عقیدہ ہمارے ہاں مروج ہے وہ بھی قرآن کریم کے مطابق نہیں ہے۔ ہمارے ہاں رات دن شہید کا لفظ جن معنوں میں استعمال ہوتا ہے قرآن کریم نے یہ لفظ ان معنوں میں استعمال نہیں کیا، بلکہ قرآن کریم نے اس معنی میں شہید کا لفظ جن معنوں میں استعمال ہوتا ہے قرآن کریم نے یہ لفظ ان معنوں میں استعمال نہیں کیا، بلکہ قرآن کریم نے اس معنی میں المقتول فی سبیل اللہ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ پتیر کیب الفاظ پورے قرآن کریم میں صرف دو جگہ [169-3 = 154-2] میں استعمال ہوئی۔ سورۃ بقرہ میں ارشاد ہوتا ہے۔ ”وَوَرَّمْتُ كُوْهَا سَطْلَةً إِنْ لَوْگُونَ كَمْ مَارَے جاتے ہیں تج راہ اللہ کے کمرے ہیں۔ بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں سمجھتے [شہزاد القار]“ اس بارے میں فی سبیل اللہ کو واضح کرتا ہے کہ فی سبیل اللہ کیا ہے۔ وَمَا لَكُمْ لَا تُقْاتِلُونَ فِي سبیل اللہ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ وَمَنِ الْزَّجَالِ وَالنَّسَاءَ [4-75] ایمان والتوہین کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں قاتل نہیں کرتے بلکہ کچھ مرد عورتیں بچے کمزور کر دیئے گئے ہیں اور وہ پکار پکار کر فریاد کر رہے ہیں کہ اے اللہ ہمیں ان ظالموں کی بستی سے نکال دے۔ اس آیت کریمہ کی رو سے کمزور [ضعیفون] کی مدد کے لئے تعالیٰ کرنا فی سبیل اللہ ہے۔ جو اس راہ میں مارے جائیں وہ مقتولین فی سبیل اللہ ہیں۔

اس سے بھی واضح بات یہ ہے کہ قرآن کریم میں فی سبیل اللہ کی اصطلاح [190-2] میں آتی ہے۔ اس کے مقابلے میں فی سبیل الطاغوت [4-76] آیا ہے۔ مومنین کی جماعت فی سبیل اللہ جنگ کرتی ہے اور کفار کی جماعت فی سبیل الطاغوت جنگ کرتی ہے۔ اس مقابلے سے فی سبیل اللہ کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے ہر وہ معاشرہ جو انسان کے خود ساختہ قوانین پر قائم ہو وہ طاغوت ہے۔ لہذا فی سبیل اللہ کے معنی ہوئے دین الہی کے قیام کی خاطر۔ لہذا قرآن کریم کی رو سے صرف وہ لوگ ہیں جو اسلامی حکومت کے قیام کی خاطر اپنی جان تک دے دیں۔ انہیں زندہ بھی اس احترام کی وجہ سے کہا گیا ہے کہ وہ قوم کو زندہ کرنے والے ہیں اور ملت کے لئے صد افخار۔ انہیں طبعی موت سے مرنے والوں کی ماتنہ مردہ کہنے سے احترام ادا رک دیا گیا ہے۔ کیونکہ وہ ملت کی زندگی ہے۔ شہادت شہید کی آیت کریمہ [3-169] میں جہاں انہیں رزق دیتے کا وعدہ کیا گیا ہے۔ آیت کریمہ [2-56] کی روشنی میں مستقبل کا وعدہ ہے۔ دونوں آیت کی تصریف سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ مستقبل کے لئے وعدہ ہے۔ کیونکہ [2-56] لام کی تاکید اور نون مشدہ دلا کراس کا مستقبل کے ساتھ مختص کردیا گیا جہاں تک احیاء کے لفظ کا تعلق ہے اسی طرح اس فاعل کے معنوں میں آیا ہے ”زندہ کرنے والے“ جس طرح انبیاء صفت مشبہ بطور اسم غاعل خبر پانے والے استعمال ہوا ہے اس لئے آیت کریمہ کا درست ترجمہ اور مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں [دین] کے قیام کے سلسلہ میں اڑتے ہوئے قتل کر دیئے جائیں [انہیں مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ مردہ قوموں کو زندہ کرنے والے ہیں لیکن تمہیں اس کا شعور نہیں کہ مقتولین کی وجہ سے تو میں کس طرح زندہ ہو جاتی ہیں۔

ایک عام اعتراض کا جواب  
قرآن کریم کے طباء کے ذہن میں عموماً یہ سوال ہے کہ بعض مرتبہ لوگ قرآن کریم میں غور کرنے کے بعد مختلف نتیجے پر پہنچنے ہیں اس کا کیا سبب ہے حالانکہ سب کی سوچ کا ایک ہی نتیجہ ہونا چاہیے تھا۔ اس بارے میں دو بتیں پیش نظر عالی کی جاتی ہیں۔

صوت الحق۔ کراچی	اشاعت کا مسلسل	(20)	چبیسویں سال	سمی سے جولائی ۲۰۲۰ء
-----------------	----------------	------	-------------	---------------------

بعض مرتبہ تریہ ہوتا ہے کہ ایک شخص کسی خاص علم کا ماہر ہے لیکن دوسرا شخص اس علم کا ماہر نہیں ہے۔ تو جو شخص کسی علم کا ماہر ہو گا وہ زیادہ عینیتی پر پہنچ گا بہ نسبت ان صاحب کے جو اس خاص علم میں مہارت نہیں رکھتے۔ کیونکہ قرآن کریم کے سمجھنے میں ہر دور کے علم کی سطح پر پہنچنا ضروری ہے۔ [9-39] دوسرا سبب بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ہاں تقریباً قرآن کریم کے سارے طلباء روایات یا روایات پر قسمی سابقہ لیٹریچر سے متاثر ہیں یا بھی متاثر تھے۔ جس شخص پر روایات کا اثر جس قدر کم رہے گا اس کی سوچ اس قدر قرآن کریم کے زیادہ قریب ہوتی جائے گی۔ روایات کا اثر علماء اہل قرآن پر آہستہ آہستہ کم ہوا ہے۔ کیونکہ اپنے سابقہ نظریات و عقائد انسان کو جان سے زیادہ عزیز ہوتے ہیں اور ان کو ترک کرنے میں اچھا لمحہ پڑا جائی ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں مولوی محمد عبداللہ صاحب کی مثال سبق آموز ہے۔ مولوی صاحب اہل حدیث تھے ان کا جو مناظرہ [1906ء] میں مولانا غلام احمد سے سیالکوٹ میں ہوا اس وقت سے وہ روایات سے بدلنے ہو گئے لیکن ”صحیحین“ کو پھر بھی درست مانتے تھے اور ان سے جدت پکڑتے تھے۔ آہستہ آہستہ صحیحین کی صحت سے بھی مکر ہو گئے۔ ان کی فکر خالص قرآنی ہو گئی روایات کے سابقہ اثرات کی وجہ سے قرآن مجید سمجھنے میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔

انسانی زندگی اس کی ابتداء اور اس کی ترقی کی کہانی قرآن کریم کی زبانی پیش خدمت عالی کر دی گئی اس مضمون میں ”خالص قرآن فتحی کے دونوں سرچشمتوں“ کا خلاصہ پیش کر دیا گیا ہے۔ کہانی کا دوسرا ساری خود سے سرچشٹے کی کہا بیان کرتا ہے۔ دونوں رُخ آپ کے سامنے ہیں، آپ نہایت غور و فکر مدد بر شخص کے مقاضی آپ کو قرآن کریم کے مطابق آپ کو کون ساری خود درست معلوم ہوتا ہے، اس کا فیصلہ آپ کے تدریپ پر چھوڑا جا رہا ہے کہ اپنے فیصلے سے مع قرآنی دلائل کے جرایہ ہذا کو مطلع فرمائیں۔

سیدنا ظاہر علی [لندن]

## شدت پسندی میں مزید تیزی آئے گی

اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان میں مذہبی شدت پسندی اور انہا پسندی کا خاتمہ جلد ہو جائے گا تو ایسا ہوتا میرے نزدیک ناممکن ہے۔ اگر جدید دنیا میں کچھ لوگ نئے بہترین افکار کو اپنارہے ہیں، جدیدیت اور پروگریسوں کی طرف جا رہے ہیں تو ایک بڑی تعداد میں لوگ شدت پسندی کی طرف بھی تیزی سے بڑھ رہے ہیں، شدت پسندی کا سرچشمہ فرقہ پر قسمی مدارس ہیں، مُعْنَی ہوتی ہے تو یہ لوگ اپنیکرکھوں کر شروع ہوتے ہیں کہ سامنے والی مسجد والے کافر ہیں، دوسرے ظہر کے بعد شروع ہوتے ہیں تو عشاء تک ہمیں یقین دلاتے ہیں کہ فلاں مسجد والے کافر ہیں۔ مستقبل میں معلومات اور نیکنالوگی کی فروانی اور اسپیڈ کے سب شدت پسندی میں مزید تیزی آئے گی۔ آپ کو آنے والے وقت میں اپنے گلی، محلوں میں شدت پسندی کی کمی وارداتیں ملیں گی۔ آپ کے منتخب نمائندے اسلامیوں میں ایسے کئی مل لائیں گے، لوگوں کو مذہبی بنیادوں پر قتل کر دینے کے اعلانات کریں گے، کیونکہ مساجد کے ساتھ ساتھ اسلامی میں بھی مذہبی پیشوایت کا قبضہ ہے۔ یہ قاتلوں کو اپنا ہیر و بنا لائیں گے، ان کو ملکی ایوارڈز سے نوازا جائے گا۔ یہ وقت زیادہ ذور نہیں، آپ کی اور میری زندگی میں آئے گا۔ ان حالات میں ہمارے لئے اللہ کا حکم یہ ہے کتّب أَنْزَلَ إِنَّكَ فَلَا يَكُنْ فِي صَدَرِكَ حَرَجٌ مَّنْهُ لَتَنْذَرَ بِهِ وَذَرْ كُرَى لِلْمُؤْمِنِينَ [7-2] یہ کتاب جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے، اسے لوگوں کے سامنے پیش کرو، اور اس کے ذریعے انہیں غلط روشنی زندگی کے نتائج سے آگاہ کر دو، اور مومنین کو ان کے فرائض زندگی یاد دلاتے رہو۔ ۰ بس اپنے حصے کی شمع جلاتے جائیں... شاند کچھ لوگوں کو حقیقی راہ دکھ جائے۔

## تصوف قدیم مذاہب میں [1]

یہودیوں اور عیسائیوں کے ہال ختم نبوت کا عقیدہ نہیں تھا۔ وہ ایک آنے والے کے انتظار میں تھا اس لیلیان کے ہاں خدا سے براہ راست علم حاصل ہونے یا حاصل کرنے کا امکان بھی موجود تھا۔ باہمیں کے عہد نامہ عتیق میں کچ تو ان حضرات کے نام ملتے ہیں جنہیں قرآن کریم کی تصریحی طور پر انبیاء کہہ کر پکارتے ہیں۔ مثلاً حضرت نوح، حضرت موسیٰ، حضرت داؤد وغیرہ۔ لیکن ان کے علاوہ متعدد اور مستیاں بھی ہیں جنہیں وہ [یہودی] نبی کہہ کر پکارتے ہیں۔ مثلاً نحیمیا، یرمیا، ہزقیل، یوناہ وغیرہ۔ یہ درحقیقت یہودیوں کے ہیکل کے اعلیٰ منصب دار تھے جو پیش گوئیاں کرتے اور [با شخصی عورتوں] کو ان کی قسمت کا حال بتاتے تھے۔ ان کے ہاں نبی کے معنی ہی "غیب کی خبریں دینے والا" تھا۔ ان کے متعلق ان کا عقیدہ تھا کہ انہیں خدا کی طرف سے براہ راست علم حاصل ہوتا ہے۔ عیسائی بھی یہودیوں کی طرح ایک آنے والے کے انتظار میں تھے [اور ہیں] اس لئے ختم نبی کا تصور ان کے ہاں بھی نہیں تھا۔ چنانچہ وہ حضرت عیسیٰ کے مقدس اور بزرگ مبعین کو رسول [Apostles] کہہ کر پکارتے تھے اور یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ انہیں خدا کی طرف سے براہ راست علم حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ یوحنًا کے مکافات Revelations [انجیل کا ایک اہم جزو ہے۔ جیسا کہ ابھی کہا جا چکا ہے، نہیں کہا جا سکتا کہ وہ ان مستیوں کو قرآنی اصطلاح کے مطابق نبی مانتے تھے یا بعض اولیاء کی حیثیت سے۔ ابتداء وہ انہیں کچھ ہی مانتے ہوں، آگے جا کر ان لوگوں کو حاصل ہونے والے علم نے ایک خاص اصطلاح حاصل کر لی اور اس کے لئے ایک خاص نظام فکر و عمل ظہور میں آگیا جسے باطہنی علم یا تصویب کے پکارا جاتا ہے۔ آئندہ سطور میں اس اجہال کی تفصیل کی جائے گی۔

### تصوف

اگرچہ تصوف [Mysticism] قریب قریب دنیا کی ہر قوم میں موجود ہے اور آج سے نہیں، تاریخ کے اوپر اور ایسا کا تذکرہ شروع ہو جاتا ہے، لیکن اس کے باوجود مذہب [Religion] کی طرح اس کی بھی کوئی جامع تعریف [Precise Definition] آج تک نہیں ہو سکی۔ اس کا دائرہ بہت سے داخلی تجارت و کیفیات، احوال و مقامات اور شعائر و مناسک کو محیط ہے لیکن ان میں دونیادی عناصر ایسے ہیں جو تصوف کی اصل سمجھے جاتے ہیں، یعنی [۱] انسان کا خدا کے ساتھ رہا اور راست مکالمہ اور [۲] نفس انسانی کا حقیقت مطلقہ [یعنی خدا] سے ساتھ مل جانا، جسے وصال یا فنا کہتے ہیں۔ یہ کیفیات ہر فرد کی ذاتی [یعنی انفرادی] ہوتی ہیں جن میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہوتا۔ نہ وہ فرد ان کیفیات کو کسی دوسرے کو محسوس کر سکتا ہے، نہ ہی بتا اور سمجھا سکتا ہے اس اعتبار سے تصوف، بھیشتھی ایک مذہب کے، یکسر شخصی یا ذاتی [Personal Religion] ہوتا ہے، اور یہ تجارت کائنات [جس کی پہلو شاخہ ذاتی علم اعقل و بصیرت کے بغیر ایک ایسے ذریعہ سے حاصل ہوتے ہیں جو بالکل Experiences]

نگاہوں سے مستور اور حواس سے پوشیدہ رہتا ہے۔ اسے باطنی ذریعیہ علم کہتے ہیں، اس علم کے حصول کی توجیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ نفس انسانی جب باطن کی گہرائیوں میں چلا جاتا ہے تو وہاں اس حقیقت کلی میں جذب ہو جاتا ہے اور کائنات کے رُگ و پے میں جاری و ساری ہے اور اس طرح نفس انسانی اور حقیقت مطلقہ [Reality] ایک ہو جاتے ہیں، اور انسان بغیر کسی ذریعہ یا واسطے کے تمام حقائق کا براہ راست مشاہدہ کر لیتا ہے، مشاہدہ کا، وہ خود ہی حقیقت بن چکا ہوتا ہے۔ چونکہ حقیقت مطلقہ تمام مادی اور محسوس نسبتوں سے بلند اور منزہ ہے اس لئے نفس انسانی اس کے ساتھ اسی صورت میں پیوست [بلکہ اس کے اندر فرم] ہو سکتا ہے جب یہ خود تمام محسوس اور مادی علاقے سے بلند اور منزہ ہو جائے۔

## مکمل تاریکی

اس کے لئے نہ صرف دُنیاوی حظاٹ و لذات سے ترک تعلق ضروری ہے بلکہ قلب و دماغ کو بھی اس مقام پر لے جانا ہوتا ہے جہاں سے مخصوص دنیا کے نقش، تصورات اور خیالات کا کوئی گزرنہ ہو۔ یعنی مادی دنیا کی آلاش تو ایک طرف، محسوس اشیاء کے تصوات اور خالات تک بھی دماغ میں نہ آنے پائیں۔ تصوف کی اصطلاح میں اس کیفیت کو ”مکمل تاریکی“ [Complete Darkness] اصل کے اعتبار سے یونانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی آنکھیں بند کر لینا ہیں۔ یہ لوگ دنیاۓ محسوسات سے اس قدر دور چلے جاتے ہیں کہ ان کے عقیدہ کی رو سے وہی کے الفاظ بھی محسوسات میں داخل سمجھے جاتے ہیں۔ ”اس لئے وہ انہیں چھوڑ کر، وہی کا صحیح مفہوم اس باطنی دنیا سے تعین کرتے ہیں جس کا علم انہیں براہ راست حاصل ہوتا ہے۔ اسے وہ حقیقت کا باطنی علم یا خود ”حقیقت“ کہتے ہیں۔

## باطنی علم یقینی ہوتا ہے

چونکہ وہ اس طریق سے حاصل کردہ علم کو بلا واسطہ [Direct Knowledge] کہتے ہیں اس لئے وہ اسے حقیقی اور یقینی قرار دیتے ہیں، اور اس کے مقابلہ میں محسوسات کے ذریعے سے حاصل کردہ علم کو ظنی اور غیر یقینی نہ ہوتا ہے۔ اسی بناء پر وہ اپنے علم کو دیگر تمام علوم کے مقابلے میں افضل اور اعلیٰ سمجھتے ہیں۔ یہ مقام انہیں مختلف جانکاہ مشقوں اور جگہ سوز ریاضتوں سے حاصل ہوتا ہے جن میں بعض اوقات جان تک کا بھی خطرہ ہوتا ہے۔

اس مقام پر پھر دہرا دیا جائے کہ ”محض الفاظ میں“ [تصوف کے لزوم و خصائص حسب ذیل ہیں:]  
 ۱] خدا اور بندے کے درمیان براہ راست تعلق اور مکالمات۔ اسے باطنی علم کہا جاتا ہے۔ اس کے لئے کسی دلیل و برہان کی ضرورت یا سند اور ثبوت کی حاجب نہیں ہوتی۔

۲] یقینی علم، باطنی علم ہے۔ اس کے مقابلے میں ”علم بالمحض“ یا ”اور اکی علم“ کی کچھ حیثیت نہیں، وہ تمام ترظن و قیاس پر یقینی علم کے الفاظ بھی نہیں برحقیقت نہیں ہوتے۔ ان کے وہی معنی صحیح ہوتے ہیں جو باطنی علم کے ذریعے معلوم ہوں۔

۳] محسوس کائنات کی کچھ حقیقت نہیں۔ یہ محض وہم، فریب اور حلقة دام خیال ہے، وجود حقیقی صرف خدا کا ہے اور محسوسات

کائنات اسی کی مظہر ہے۔

انسانی زندگی کی منتها نفس انسانی کا حقیقت کلی میں جذب ہو جانا ہے، اس لئے تصوف یکسر انفرادی اور داخلی

[Subjective] کیفیات کا نام ہے۔

جس قدر انسان دنیاوی جاذبیتوں [جود رحقیقت مادی آلاتیں ہیں] سے دور ہو جاتا ہے، اس کی روحانیت ترقی کرتی

جائی ہے، اس کا ظہور پیش گوئیوں اور کرامات کی مشکل میں ہوتا ہے۔

اب آگے بڑھیے، ظہور اسلام کے وقت دنیا میں چار بڑے بڑے مذاہب تھے، یہودیت، نصرانیت، موسیٰت اور بدھ مت

آخراں ذکر دونوں مذاہب [موسیٰت اور بدھ مت] میں وحی کا کوئی امتیازی اور خصوصی تصور ہی نہ تھا۔ اس لئے یہ یقین سے نہیں کہا جا

سکتا کہ ان کے ہاں ایک نبی کی وحی اور ارباب تصوف کے کشف والہام میں فرق کیا جاتا تھا، لیکن جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔

## یہود و نصاریٰ کے ہاں تصوف

یہودیت اور نصرانیت میں یہ فرق موجود تھا، اگرچہ بہت بہم طریق پر یہودی، حضرت موسیٰ کو جس انداز کا نبی مانتے تھے

اس انداز کا نبی یہ میریا، وانیال، یسوعیا، ہر قلیل وغیرہ کو نہیں مانتے تھے، لیکن مشکل یہ ہے کہ وہ انہیں بھی نبی [Prophets] ہی کہتے

تھے۔ اس لئے کہ ان کے ہاں نبی کے معنی ہی تھے پیش گوئیاں کرنے والا۔ اسی لئے اس کا ترجمہ [Prophets] کیا جاتا ہے۔ اس

لئے بادل نظر میں یہ سمجھنا دشوار ہو جاتا ہے کہ ان کے ہاں ایک رسول کی وحی اور ایک ولی میں فرق کیا جاتا تھا یا نہیں۔ عیسائی اپنی انجیل

کے مرتبین [لوقا، مرقس وغیرہ] کو سینٹ [ولی] کہتے ہیں اور انہیں حضرت عیسیٰ کا ہم مرتب نہیں مانتے۔ [یہ غالباً اس لئے کہ ان کے

زندویک حضر عیسیٰ] کا مقام الوجہت ہے جس میں کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔ ان کے بعد بھی ان کے ہاں اولیاء [Saints] ہی کا سلسلہ

چلتا ہے۔ اس اعتبار سے کہا جاسکتا ہے کہ عیسائیوں کے ہاں رسول کی وحی اور اولیاء کے کشف والہام میں فرق ہے۔ لیکن [جیسا کہ

آگے چل کر بتایا جائے گا] وحی اور الہام کا فرق محض اصطلاحی ہے، نو عیت دونوں کی ایک ہی ہے۔

یہودیت، ظواہر پرستی کا مذہب ہے اس لئے اس میں باطنتی کی گنجائش بہت کم تھی، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ بیت المقدس کی

پہلی تباہی کے بعد، باہل کی اسیری کے زمانہ میں، جبکہ قوم اپنے ضعف و انحطاط کی انتہا تک پہنچ چکی تھی [اور یہی زمانہ تصوف کے

اُبھرنے کا ہوتا ہے] ان میں بھی کچھ کچھ باطنتی کے آثار نمودار ہونے شروع ہو گئے، چنانچہ اس دور میں ان کے "نبیوں

[Prophets] کے احوال و ظروف کچھ اس قسم کے ہیں جیسے باطنی خلوت گاہوں میں ارباب تصوف کے ہوتے ہیں۔ اسی قسم کا نجح

زندگی، وہی انداز گفتگو۔ اسی طرح کے مکاشفات اور الہامات، اسی نوع کی پیش گوئیاں لیکن حقیقی تصوف ان میں اس کے بعد جا کر آیا

جب ان کے مذہبی پیشواؤں نے اسکندریہ میں یونانی فلسفہ کا مطالعہ کیا۔

## یہودی تصوف

اور وہاں اس فلسفہ اور اپنے محدث کے امتحان سے ایک نیا مذہب ایجاد کیا۔ فیلو [Philo] اس مذہب کا امام ہے۔

تصوف کا ابوالا باء در حقیقت افلاطون [Plato] کو سمجھنا چاہیے، چونکہ میرے پیش نظر تصوف کی تواریخ مرتب کرنا نہیں اس لئے میں

اس نکتہ کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتا کہ یونان میں تصوف کی ابتداء کس نے کی، یہ عجیب حقیقت ہے کہ فلسفہ [عقلیت پسندی] اور اس کی ضد باطنیت دونوں کی ابتداء یونان سے ہوئی اور قریب قریب ایک ہی زمانے میں عقلیت پسندی کی ابتداء دیما قریطس اور اپیورس جیسے فلاسفہ سے ہوئی اور باطنیت کا آغاز فیشا غورث سے۔ اس کے بعد افلاطون کے ہاں عقلیت اور باطنیت دونوں جمع ہو گئے لیکن اس کی اہمیت عقلیت سے زیادہ باطنیت کی وجہ سے ہوئی۔ ہم نے اسی بناء پر باطنیت کے سلسلے میں سب سے پہلے اس کا نام لیا ہے، اس نے سب سے پہلے یہ تصور پیش کیا تھا کہ اس عالم محسوس کے اوپر ایک عالم امثال ہے۔ وہ عالم حقیقی وجود رکھتا ہے اور یہ عالم محض اس کا پرو ہے، اس عالم میں جو کچھ ہے اور جو کچھ ہوتا ہے اس کی حقیقت سراب سے زیادہ کچھ نہیں۔ اُس حقیقی عالم کے متعلق علم حواس کے ذریعے حاصل نہیں ہو سکتا، باطنی طریق سے حاصل ہو سکتا ہے۔ افلاطون کے اس فلسفہ [یا بالفاظ صحیح تصوف] کی نشأة ثانیہ بعد کے فلاسفوں کی ایک جماعت کے ہاتھوں ہوئی جن کا امام فلاطینیس [Plotinus] تھا۔ ان فلاسفر میں ایک Apollonius of Tyana [ہندوستان کا سفر کیا اور وہاں کے برہمنوں سے ہندی تصوف سیکھا۔ فلاطینیس، رومی لشکر کے ساتھ ایران گیا اور وہاں کے مغلوں سے جموی تصوف کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد ان فلاسفوں نے فلاطینیس کی زیر سرکردگی افلاطون کے فلسفہ قدیم کو، ہندی اور ایرانی تصورات کے ساتھ ملا کر ایک جدید قالب میں ڈھالا۔ اس کا نام نو فلسطینی فلسفہ New Philosophy [Patinism] ہے۔ اس فلسفہ کا مرکز اسکندریہ تھا اور یہیں اس سے فیلو کا یہودی تصوف متاثر ہوا۔ اس تصوف کا سب سے پہلا اثر

یہ تھا کہ تورات کی شریعت، معرفت اور حقیقت میں بدل گئی۔ چنانچہ یہودی تصوف کی سب سے اہم کتاب زہار ہے۔

تورات کی روح درحقیقت اس کے باطنی معنوں میں پوشیدہ ہے۔ انسان ہر مقام پر خدا کا جلوہ دیکھ سکتا ہے، بشرطیکہ وہ تورات کے ان باطنی معانی کا راز بیجا جائے اور اس کے مطابق زندگی بسر کرنے لگ جائے۔

تورات کی شریعت ہربنی اسرائیل کے لئے کھلی تھی لیکن تورات کے باطنی معانی صرف خواص تک محدود ہو کر رہ گئے، چنانچہ مٹاہ

[کتاب حقیقت] میں ہے کہ:

کتاب پیدائش کے باطنی معانی کی تعلیم ایک وقت میں ایک سے زیادہ آدمیوں کو نہیں دی جانی چاہیے  
اس کی سخت ممانعت ہے۔ اور کتبہ، حزقیل کے پہلے باب کی تعلیم تو کسی آدمی کو بھی نہیں دینی چاہیے  
تاوافت یہ کہ اس نے مقام و لایت حاصل نہ کر لیا ہو۔

ان کا عقیدہ یہ تھا کہ تورات کے اصل معانی اس کے الفاظ سے نہیں مل سکتے، ان کی گہرائیوں تک پہنچنے کا ایک اور طریقہ ہے جو عوام کی نگاہوں سے پوشیدہ ہے، وہ کہتے تھے کہ عبرانی زبان کے حروف ابجد میں عجیب و غریب تاثیر ہے اور انہیں خاص خاص طریقوں سے اکٹھا کرنے اور دہرانے سے تورات کے الفاظ کے باطنی معانی معلوم ہو جاتے ہیں۔ نیز ایک سے دوں تک کے عدد بھی یہی خواص دتا ہرات رکھتے ہیں۔ ان حروف اور اعداد کے متعلق کتاب زیارات میں ہے:

خدا نے ان کے نقش تیار کئے، پھر ان کے سانچے بنائے، ان کا وزن کیا، ان میں اول بدل کیا، انہیں ایک ودرسے کے ساتھ ملا یا اور ان کے پر اسرا مجموعوں سے کائنات کی ہرشے کی روح پیدا کی۔ چنانچہ کائنات میں جو کچھ موجود ہے وہ بھی انہیں قوت کے سہارے قائم ہے اور جو کچھ پیدا ہو گا وہ بھی انہی کے ذریعے پیدا ہو گا۔

ان حروف اور اعداد کا باطنی علم، علم حقیقی ہے اور اس سے انسان پر اسرار و رموز کا نتات اور تورات کے حقیقی مفہوم کی راپیں کھلتی ہیں، جس پر یہ راہیں کھلتی ہیں اس سے عجیب و غریب کرامات صادر ہونے لگ جاتی ہیں۔ چنانچہ ان کے ”زبانی صوفیوں [Rabbinic Mystics]“ کی شعبدہ بازیوں کے عجیب عجیب قصے مشہور ہیں مثلاً یہ کہ وہ سبت کی شام کو رموز کا نتات کے حل کرنے میں مصروف ہوتے۔ بھوک لگتی تو ایک تین سالہ پچھر انہمودار ہو جاتا جسے وہ کھاجاتے، وہ علی ہذا۔ ان کے یہ ارباب تصویف اپنے ہاں کی الہامی کتابوں کی تاویلات اپنے ذاتی مکافات سے کرتے اور خوابوں کی تعبیر سے زندگی کے مسائل کا حل بتاتے اور آنے والے واقعات کی خبریں دیتے جب عیسائیت کا ظہور ہوا تو یہ تصور یہودیوں میں عام تھا۔ حضرت عیسیٰ کی تعلیم [خدا کے ہر سچ نبی کی تعلیم کی طرح] ان خرافات کے خلاف ایک صدائے احتیاج تھی۔ یہی وجہ تھی کہ یہودی پیشوائیت ان کی جان تک کی دشمن ہو گئی۔ لیکن ان کی تشریف برداری کے بعد خود عیسائیت یہی کچھ بن رہ گئی۔ ایک تو اس لئے کہ جو لوگ عیسائیت اختیار کرتے وہ بالعموم پہلے یہودی ہوتے۔ اور دوسرے اس لئے کہ عیسائیت اپنے ابتدائی دور ہی میں سخت نامساعد حالات کا شکار ہو گئی۔ اس لئے اسے بہت جلد، مجاہد ان حرکت و حرارت کو چھوڑ کر تصور کی برودت کا ہوں میں پناہ لینی پڑی۔ بہر حال، اب ہم عیسائیت کی طرف آتے ہیں۔

## روایات کوئی ابہام پیدا نہ کر سکیں

کہہ دیجئے! میں کوئی انوکھا رسول نہیں ہوں اور میں نہیں جانتا یہ کہ اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا، میں تو اسی کا تابع ہوں جو مجھے وہی ہوتی ہے۔ اور نہیں ہوں میں مگر واضح طور پر خدا کرنے والا، مجھے یقین ہے اگر میں یہ بتائے بغیر کہ یہ اللہ کے الفاظ ہیں اس آیت کا پہلا حصہ کسی عوامی مقام پر دہرا دوں تو اللہ کے نبی کا بت بنانے والے بعض لوگ اسے شانِ رسول میں گستاخی گردانیں گے۔ لیکن اللہ تو انہی وحدانیت اور لاشریک ہونے کی صفات بیان کرنے میں بے باک ہے تاکہ اتمام جھٹ ہو جائے اور روایات کوئی ابہام پیدا نہ کر سکیں۔ توحید کے عقیدے کی شفاقت درحقیقت اللہ اور اس کے بندے کے درمیان سے تمام واسطے ہٹانے کی کنجی ہے۔ اللہ کو اپنے اور بندے کے درمیان کوئی واسطہ کوئی وسیلہ پسند نہیں تھیں جبکہ اللہ یہ بات واضح کرتے ہوئے کہتے ہیں وہ مَنْ أَضَلُّ مَمْنَ يَذْكُو مِنْ دُونَ اللَّهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهُ الیَّ نَوْمَ الْقِيَمَةِ وَهُنْ عَنِ الدُّعَائِنِمَ غَافِلُوْنَ [46-5] اور اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہو سکتا ہے جو اللہ کے سوالیوں کو پنکارے جو قیامت تک اس کی دعا قبول نہ کر سکیں اور وہ ان کی پکار سے بے خبر ہو، اللہ سورہ لقرہ کی آیت [2-186] کہتے ہیں جب کوئی تم سے میرے بارے میں سوال کرے تو (آسے کہو) میں قریب ہی تو ہوں، میں ہر پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں جب وہ مجھے پکارے جب انہیں بھی چاہیے کہ وہ میری پکار کا جواب دیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ صحیح راستہ پائیں ۰ اللہ اس آیت میں اپنے نبی کو کہہ رہے ہیں کہ کوئی میرے بارے میں سوال کرے تو اسے یہ بتا کر میری طرف لوٹا دو کہ صرف تمہارے قریب ہوں بلکہ تمہاری ہر دعا سنتا ہوں اور جواب بھی دیتا ہوں۔ یعنی اللہ کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان کوئی نہیں چاہیے۔ یہاں دعا کا مفہوم بتاتے ہوئے اللہ نے اپنی قربت کا ذکر ضروری ہی اس لئے سمجھا کہ یہ اعتقاد انسان سے مشکل کام بھی کروادے گا کہ اللہ اس کے بہت قریب ہے اور یہی دعا کی روح ہے۔ قرآن کو سمجھنا شروع کیجیے یہ آپ کو توهات سے باہر نکال کر عملی انسان بنادے گا۔ ہمارے توهات میں پڑنے کی ایک بڑی وجہ اللہ کا قرآن چھوڑ کر فرسودہ انسانی روایات کو دین سمجھنا ہے۔ سورہ فرقان میں قیامت کے دن کا ذکر کرتے ہوئے بتایا گیا ہے وَقَالَ الرَّسُولُ يَرَبُّ إِنَّ قَوْمَيِ  
اَتَخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَفْخُوذًا [25-30] رسول ہمیں گے کاے میرے رب میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑنے کے قابل سمجھیا تھا ۰ یہ توهات میں نہیں ہے۔ راشد

# تین اقسام کے لوگوں کے کردار پر اپنا مشاہدہ کیجئے

جب ہم قرآن مجید پر تدبیر کی ابتداء کرتے ہیں تو سورۃ فاتحہ جو قرآن حکیم کا ملخص ہے، نظامِ ربوبیت سمجھاتے ہوئے ہم کا تذکرہ شعوری سمجھاتا ہے وہاں **أَنْعَمْتُهُمْ** اور **مَعْصُوبٌ عَلَيْهِمْ** کا ذکر بھی سمجھا دیتا ہے ساتھا انسانی زندگی کی اصل مدعای بھی دعا سے انداز میں رکھ دیتا ہے کہ تمیری راستہ اختیار کرنے کی جستجو ہی میں بقاء، اجر اور انعام ہے۔ جب ہم اس ملخص سے ملخص ہو جاتے ہیں تو پھر قرآن حکیم انگلی پر کہہ میں سمجھاتے ہوئے تین اقسام کے انسانوں کی زندگی کا تعارف کرواتا ہے یہ بتاتے ہوئے کہ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ قرآن حکیم ہی لا رَبِّ [۲-۲] کتاب ہے مگر اس سے ہدایت وہی پاسکتے ہیں جو متین بننے کی طرف مائل ہوں **ذِلِكَ الْكِتَابُ لَا رَبِّ يَرِبُّ فِيهِ هُدًى لِّلْمُفْتَنِينَ** [۲-۲] یہ قرآن اپنی کتاب ہے، جو ہر طرح کے شک و شبہ سے بالاتر ہے، یہاں لوگوں کی رہبری کرتا ہے جو اللہ کے قوانین کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں ۰ راستے کے کائنے دار جہاڑیوں سے دامن الجہانے کی بجائے دامن بچا کر صحیح سلامت نکلنے اور منزل مقصود تک پہنچنے کے خواہشمندوں کے لئے یہی کتاب حق ہے۔ صحیح راستہ منتخب کرنے والے یہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کو خالق و مالک کائنات مان کر اپنی زندگی اسی ضابطہ حیات کے سپرد کرتے ہوئے صلوٰۃ اللہ کی کتاب کی پیروی کرنا / اللہ کے احکام کے پیچھے پیچھے چلانا یا آنَا [۴-۱] قائم کرتے ہیں اور جو رزقِ رب العالمین کی عطا کردہ صلاحیتوں سے کماتے ہیں وہ اللہ کی مخلوق پر خرج کرتے ہیں **الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيَقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمَمَا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ** [۲-۳] جو لوگ غیب پر ایمان لاتے ہیں یہ صلوٰۃ قائم رکھتے ہیں لہذا یہ رزق میں سے خرج کرتے ہیں ۰ وہ یہ قیین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ جو نازل ہوا ہے اور جو اس سے پہلے نازل ہوئے حق ہیں، وَ **الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُونَ** [۴-۴] یہ لوگ یقین محکم رکھتے ہیں تھہاری طرف نازل کردہ قرآن کی صداقت پر اور کتب سابقہ کے نزول پر وہ آخری زندگی اور قانون مکافات پر یقین رکھتے ہیں ۰ ان ضابطوں کی پابندی، یوم حساب جوابد ہی اور یہ احساس جوابد ہی ایمان ہے وہی حق کے راستے پر ہیں اور یہ ایمان والے یہاں بھی اور آخرت میں بھی فلاح پانے والے ہیں یہ اللہ نے کہا ہے **أُولَئِكَ عَلَى هُدًى فَنَّ رَبِّهِمْ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُلْحُونُ** [۵-۵] یہ لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح اور نجات پانے والے ہیں ۰ یہاں اہل ایمان کا انجام بیان کیا گیا ہے جو ایمان لانے کے بعد عمل کا اہتمام کرتے ہیں، مخفی زبان سے اظہار ایمان کو کافی نہیں سمجھتے۔ یہ لوگ مسلم و مؤمن کہلاتے ہیں۔

## دوسری قسم کے لوگ۔۔۔ کافر

قرآن حکیم ہمیں بتاتا ہے کہ دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو ملک طور پر اللہ کے نازل کردہ ضابطہ حیات قرآن حکیم پر ایمان لانے، اس کو اپنانے، اس کی پیروی کرنے، اس کے پیچھے پیچھے چلنے سے صاف انکاری ہیں یہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی ضد میں

اپنے عقل و شعور کے راستے پر تالے لگائے ہیں نبی اکرمؐ کو بتایا گیا تھا اور ہمیں بھی بتایا جا رہا ہے کہ اب ان کی حالت ایسی ہو گئی ہے کہ آپ انہیں غلط روشن کے نتائج سے ڈرائیں یا نہ ڈرائیں یہ لوگ قوانین الہی کی صداقتوں پر ایمان نہیں لا سکیں گے انَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَا: عَلَيْهِمْ أَنْذِرْهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غَشَاوَةً وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ [2/6-7] کافروں کو آپ کا ڈرانا برابر ہے، یہ لوگ ایمان نہ لاسکیں گے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کافوں پر مہر کر دی ہے اور ان کی انکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے ۰

### تیری قسم کے لوگ۔ منافقین

تیری قسم کے لوگ کو غور سے پڑیے گا اور مشاہدہ کیجئے گا، یہ لوگ جھوٹے، فربی، مفاد پرست اور فسادی [منافقین] ہوتے ہیں، ہمارا پورا معاشرہ ایسے ہی لوگوں کا مجموعہ ہے یہ لوگ ہمیں جانباز باñی اللہ، نبی، قرآن اور یوم آخرت پر ایمان کا اقرار کرتے نظر آتے ہیں مگر درحقیقت عملی طور پر ان کی زندگی حقیقی ایمان کا صریح انداز اڑاتی ہے، یہ بات ہمیں اللہ تعالیٰ بتا رہے ہیں وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ أَمَنَّا بِاللَّهِ وَ بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَ مَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ (8-2) بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، لیکن درحقیقت وہ ایمان والے نہیں ہیں ۰ یعنی ہمارے دل تو تحقیق ایمان سے محروم ہیں مگر ہم خوش نہیں میں بٹلا ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں یعنی ہمارے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے يَخْدِمُونَ اللَّهَ وَ الَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يَخْدِمُونَ إِلَّا أَنفُسُهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ (9-2) وہ اللہ تعالیٰ کو اور ایمان والوں کو دھوکا دیتے ہیں، لیکن در اصل وہ خوداپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں، مگر سمجھتے نہیں ۰ یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ نہ ہم اللہ کو دھوکہ دینے میں کامیاب ہو سکتے ہیں، کیونکہ وہ توبہ کچھ جانتا ہے اور نہ اہل ایمان کو مستقل فریب میں رکھ سکتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ وحی [قرآن] کے ذریعے حقیقی ایمان والوں کو ہماری فریب کاریوں سے آگاہ فرمادیتا ہے۔ یوں ہمارے جھوٹ اور فریب کاری کا سارا نقشان خود ہمیں ہی پہنچ رہا ہے، ہمارے دلوں میں منافقت کی بیماری ہے ہم نے انفرادی اور اجتماعی طور پر انپری عاقبت بر باد کر لی اور دنیا میں بھی در دن اک عذاب کے ساتھ رسوہ ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: فِي قُلُوبِهِمْ مَرْضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرْضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ [10-2] ان کے دلوں میں بیماری ہی اللہ تعالیٰ نے انہیں بیماری میں مزید بڑھا دیا اور ان کے جھوٹ کی وجہ سے ان کے لئے درناک عذاب ہے ۰

ہمارے اندر بڑی دو خرابیاں ہیں ایک ہم جھوٹ بولتے ہیں دوسرا ہم اللہ کی زمین پر اصلاح کے دعویدار ہیں مگر حقیقت میں ہم ہی لوگ ہیں جو زمین پر فساد پھیلائے ہیں وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَخْنُ مُضْلِلُونَ [۱۱-۱۲] آلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَكِنْ لَا يَشْعُرُونَ [12/11-12] اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد کر تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں ۰ خبردار، رہوا! یقیناً یہی لوگ فساد کرنے والے ہیں لیکن شعور نہیں رکھتے ۰ اب ان نکوہہ بالا آیات میں مذکورہ تین اقسام کے لوگوں کے کردار پر اپنا مشاہدہ کیجئے اور احتساب بھی آنے ہمات عَلَيْهِمْ اور مَغْضُوبٍ عَلَيْهِمْ کا فرق واضح ہے۔۔۔ ثُمَّ تَتَفَكَّرُوا [سوچا کرو]

# آئین میں مقاصد مملکت کا تعین

حلف نامہ کی رو سے صدر مملکت پاکستان کی حمایت اور اس سے وفاداری کا عہد تو بعد میں کرتا ہے، سب سے پہلے وہ بالترتیب اپنے مسلمان ہونے کا، توحید باری تعالیٰ کا، قرآن اور دیگر کتب الہیہ کا، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا، ان کے آخری نبی ہونے کا، یوم آخرت کا، قرآن و سنت کی جملہ مقتضیات اور تعلیمات پر ایمان کا اقرار کرتا ہے، وہ پاکستان کا حامی اور وفادار رہنے کا اقرار کرنے کے فوراً بعد یہ عہد کرتا ہے کہ ”میں اسلامی نظریہ کو برقرار رکھنے کے لئے کوشش رہوں گا، جو قیام پاکستان کی بنیاد ہے“۔ گویا وہ دریاؤں، پہاڑوں، جغرافیائی سرحدوں، اور مادی وسائل پر بنی پاکستان ہی سے نہیں بلکہ اس کی تحقیق کرنے والے ”اسلامی نظریہ“ سے بھی وفاداری کا اقرار کرتا ہے اور ایک پے مسلمان جس طرح ”خمن و رجیم“ ستی کے اسم ”عظم“ ”اللہ“ سے اپنے حلف نامہ کا آغاز کرتا ہے، اسی سے مدورہ نہماںی کی دعا پر اپنے حلف کا اختتام کرتا ہے۔

اب تمہید کی پہلی سطر سے اس حلف نامہ کی آخری عبارت تک آئینے نے اپنے منشاء کو پوری شرح و بسط سے کھول کر ہمارے سامنے رکھ دیا ہے۔ سمت و منزل، اہداف اور منصوبے پر عمل درآمد کے لئے مطلوبہ افراد کا کی اہلیت اور ان کے کردار کے بنیادی اوصاف سب واضح کر دیئے گئے ہیں۔ کہیں کوئی الجھاؤ نہیں۔

ہمارے سامنے اب اصل مسئلہ یہ ہے کہ آئین کی ایکسیم کو رو بعمل لانے اور اس کی عائد کردہ شرائط کے مطابق ہم موزوں امیدواروں کو آگے لانے اور انہیں ایوان اقتدار تک پہنچانے کے لئے کیا لا جھ عمل اختیار کریں؟ ظاہر ہے اس سلسلے میں موجودہ مواضعات سب سے پہلے زیر بحث آئینے کی ان میں سرفہرست نظام انتخابات کا مسئلہ ہے۔ باصلاحیت اور باکردار امیدواروں کے لئے سازگار ماحول کی فراہمی مروجہ طرز انتخاب میں تبدیلی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

اپنے ایمان اور آئین دونوں کی رو سے جب ہم اپنی اسلامی جمہوریت کو اس کے اصل حوالے یعنی خلافت راشدہ کے تناظر میں دیکھتے ہیں تو وہاں پورے معاشرے کی فکرمندی یہ نظر آتی ہے کہ جو اپنی سیرت و کردار اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے قربت اور اہلیت و اعتماد میں سب سے آگے ہو، ہی سب سے اوپر منصب پر فائز ہو، انتخاب ثقیفہ بنی ساعدہ کی مشاورت میں ہو، ایک فرد حضرت عمرؓ کی صورت میں، حضرت عمرؓ کی جانب سے 2 افراد کے بیٹل کی شکل میں یارائے دہی کے ذریعے دو میں سے کسی ایک کے انتخاب کے طریقے سے، اجتماعی رویہ میں تلاش خیر کا جذبہ جھلکتا ہے۔ ہماری فکرمندی کی بنیادی نکتہ بھی یہی ہونا چاہیے کہ ہمارے درمیان جو لوگ علم، اہلیت اور امانت و دیانت کی صفات میں دوسروں سے متاثر اور معتبر ہیں وہی ہماری قیادت سنبھال لیں۔ قرآن نے شوریٰ کی جو معنی خیز اصطلاح ہمارے اجتماعی نظام کے لئے عطا کی ہے اس میں پاہمی مشاورت کے علاوہ یہ مفہوم بھی پوشیدہ ہے کہ اپنے میں سے بہترین افراد کا انتخاب کرو، شوریٰ کے لغوی معنی چھتے سے شہد نکلنے کے ہیں، اس عمل میں چھتے سے مکھیوں، ان کے ڈنک، کوڑے کر کر تچھت کو چھوڑ دیا اور شیر میں تین حصے کو کشید کر لیا جاتا ہے۔ نظام انتخاب میں بھی عمل نظائر

ایسا ہونا چاہیے کہ شہید یا مکن نکل آئے اور تلخست نیچے رہ جائے۔ مجلس شوریٰ میں جن کے درمیان مشاورت ہو وہ خود بھی فردا فردا شہد کی طرح شیریں اور معاشرے کی صحت کے لئے مفید و نافع ہوں جیسا کہ ہمیں خلافتِ راشدہ میں نظر آتا ہے۔

موجودہ نظامِ انتخاب کا ناقہ اس تجربہ میں ا موضوع نہیں لیکن مختصراً اتنا ضرور عرض کروں گا کہ اس نے عملِ تنظیم کو الٹا کر دیا ہے۔ اس کے ذریعے تلخست اور پار آہی ہے اور شہد، مکن یا بالائی نیچے دفن ہو رہے ہیں۔ یہ اپنے نتائج کے اعتبار سے نہ جہوری ہے نہ اسلامی۔ جہوریت اکثریت کی نمائندگی کرنے والی حکومت کا نام ہے لیکن موجودہ نظام میں جماعتوں یا آزاد امیدواروں کی کثرت کے باعث 10 یا 12 فیصد ووٹ حاصل کرنے والے لوگ اسے ملیوں میں پہنچ جاتے ہیں۔ علاوه ازیں جمیعی حلقوں بندیوں کے اس نظام نے زبان، رنگ، نسل، علاقے، مذہبی مسلک، قبیلہ برادری اور دیگر تعصبات کو کامیابی کا آسان ذریعہ بنا کر عام و وڈا اور امیدوار سب کو اعلیٰ افکار و نظریات، علم، سیرت و کردار اور سب سے بڑھ کر قومی سوچ اور عالم اسلام کی سطح پر غور و فکر کرنے والے ذہن کی ضرورتوں سے فارغ کر دیا ہے۔ وسیع انظری کم ہے اور تجسس نظری نے پوری سیاسی زندگی پر قبضہ جمال لیا ہے۔ اغراض پر مقنی سوچ نے وڈروں اور امیدواروں کے باہمی رشتے کو لین دین کی تجارتی سطح پر پہنچا دیا ہے اور یہ سطح بھی بلدیاتی امور تک پست ہو کر رہ گئی ہے۔ ایک چھوٹا سا حلقة انتخاب کیونکہ پورے ملک پر حکمرانی کے لئے لاچنگ پیڈ [Launching Pad] کا درجہ رکھتا ہے، اس لئے امیدوار حکومت کا ذہن اسیرن بن کر رہ گیا ہے۔ اس حلقتے میں وہ تعصبات، چوبہ راہٹ، تھانہ اور مقامی انتظامیہ پر اثر رسوخ، رشوت، غدہ گردی، دھاندلی، تندو تیز نعروں سے محروم طبقات میں امیدواروں اور آرزوؤں کی بھرمار اور اپنے مقابل امیدواروں کو زرج کرنے کی مکروہ حرکتوں کا اہتمام کر لے تو پھر الہیت اور کردار کے سارے حوالے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ اب نشیات اور دیگر حرام ذرائع سے حاصل کردہ اور بیرونی قوتوں کے فراہم شدہ سرمائے کی ریل پیل نے اقتدار کی منزل سر کر لیا اس زیادہ آسان بنا دیا ہے۔ اب اسلحہ کے استعمال اور سیاست کے نام پر تخریب کاری کا ایک اور موثر ذریعہ کامیابی نکل آیا ہے۔ سیاست کا کاروبار صرف دوجیزوں پر مخصوص ہو کر رہ گیا ہے۔ اخبارات کے صفحات پر قبضہ اور بیلٹ بکس پر قبضہ۔ تمام دنگر ذرائع انہی دوچیزوں پر قبضے کے لئے استعمال کئے جا رہے ہیں۔ دیہی علاقوں میں جا گیرداری، وڈیرہ شاہی اور سرداری کے مخلکم روایتی نظام نے جملہ ہوتیں مہیا کر رکھی ہیں۔

## یہاں ہر کوئی اپنے اعمال کے نتائج کے ساتھ جکڑا ہوا ہے

لَيْسَ لَهَا مِنْ ذُوْنِ اللَّهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ وَإِنْ تَعْدِلْ كُلُّ مَعْدُلٍ لَا يُؤْخَذُ مِنْهَا أُولَئِكَ الَّذِينَ أَبْسِلُوا  
بِمَا كَسْبُوا لَهُمْ شَرَابٌ مِنْ حَمِيمٍ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ [6-70] اللہ کے قوانین کے سوا کوئی اور  
بیہیں جو انہیں ان نتائج سے بچا سکے، نہ کوئی والی اور نہ کوئی شفاعت کرنے والا، اور نہ کسی قسم کا کوئی کفارہ، یا بدل دے کر ہی کوئی ان نتائج سے  
پہنچ سکتا ہے، یہاں ہر کوئی اپنے اعمال کے نتیجے کے ساتھ جکڑا ہوا ہے۔ غلط کارلوگ زندگی کی خوشگواریوں سے محروم ہو جاتے ہیں، ان کے لئے  
زندگی تباخ اور عذاب ہے، کونکفرنٹ کے قوانین کے خلاف زندگی بس کرنے کا بھی نتیجہ ہے۔

## تحریک پاکستان کے گولڈ میڈل اعزاز یافتگان و تعارف خدمات

تحریک حصول پاکستان کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے صوبہ پنجاب میں ۱۹۸۴ء میں گولڈ میڈل ایوارڈ کا اجراء کیا گیا اور اس عظیم ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے اور اس قرض کو چکانے کے لئے حکومت پنجاب نے ملکہ اطلاعات و ثقافت میں [شعبہ تحریک پاکستان] قائم کیا۔ اس کے علاوہ حکومت پنجاب نے تحریک پاکستان سے وابستہ اصحاب پر ایک کمیٹی تشکیل دی جس نے کارکنان تحریک پاکستان کی ان بے بدل خدمات کے اعتراف کے طور پر انہیں یا ان کے ورثاء کو گولڈ میڈل پیش کرنے کا آغاز کیا، یہ کمیٹی ایک باقاعدہ ادارے کی حیثیت اختیار کر گئی ہے جو ہر سال انتہائی وقت نظر سے کام لیتے ہوئے تحریک پاکستان کے نامور کارکنوں کو سونے کے تمنہ دینے کا فیصلہ کرتی ہے اور حکومت پنجاب ان کی سفارش پر تنخیل پیش کرتی ہے۔ اس کمیٹی کی سفارش پر حکومت پنجاب نے یہ اہتمام بھی کیا ہے کہ تحریک پاکستان کی وہ قابل تعظیم شخصیات جن کا تعلق صوبہ خیر پختون خواہ، صوبہ سندھ، اور صوبہ بلوچستان سے ہے یادہ وہاں پر قیام پذیر ہیں، انہیں بھی ان کے کارہائے نمایاں کے اعتراف میں گولڈ میڈل پیش کیا جائے کیونکہ دوسرے صوبوں میں ایوارڈ دینے کا سلسلہ ترک کر دیا گیا ہے، تحریک پاکستان سے تعلق رکھنے والی جن قابل تعظیم شخصیات کو گولڈ میڈل سے نوازا گیا ہے ان کے تعارف کو "صوت الحق" کے قارئین تک بطور خراج تحسین پہنچانے کا سلسلہ کے تحت اس شمارے میں ان تمنہ یافتگان کا تعارف خدمات پیش خدمت ہے۔

ہمارا خون بھی شامل ہے ترین گلستان میں  
ہمیں بھی یاد کر لینا چہبیں میں جب بہار آئے

## خواجہ ناظم الدین۔۔۔ بنگال

خواجہ ناظم الدین مرحوم 1894ء میں ڈھاکہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محترم کا نام خواجہ نظام الدین تھا۔ مسلم لیگ کے بانی نواب سلیم اللہ کے سے بھاجنے تھے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے گریجویشن کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلستان چلے گئے۔ علی گڑھ مسلم لیگ سے گریجویشن کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلستان چلے گئے۔ جہاں کہ بریجن اسے ایم۔ اے [M.A] اور بیرئٹری [Bar-at-law] کیا۔ حصول تعلیم کے بعد 1919ء میں انگلستان سے واپس ڈھاکہ کا آگئے۔

1921ء میں ڈھاکہ میوپلی اسٹیٹ ک پہلی مرتبہ چیرین منتخب ہوئے اور 1925ء میں دوسری مرتبہ بھی چیرین منتخب ہوئے۔ 1929ء میں مخدوہ بنگال کے وزیر تعلیم پہنچنے لگے۔ یہاں فائز ہونے کے بعد آپ نے "پرائزی ایجویشن" کا قانون اور بنگال پیٹنسی

ایک [Bengal Tenancy Act] منظور کروا یا جس سے بنگال کے مسلمانوں کو بہت فائدہ ہوا۔ 1935ء میں گورنر کے ایگزیکٹو کمیٹی [Executive Comm.] کے ممبر منتخب ہوئے۔ اسی دوران میں آپ مختلف - C.B.E - OBE - I.C.I اور SIR کے خطابات سے نوازے گئے۔ 1937ء میں ایک کے تحت جب ایک ایک ایک کے تحت جب 1937ء میں انتخابات ہوئے تو مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی تشکیل دی جس کو متحده بنگال میں زبردست کامیابی حاصل ہوئی اور سب سے زیادہ لشتنیں جیتی۔ اسی دوران خواجہ نور الدین اور ایم انج اسٹھانی سے مل کر قائدِ اعظم کو دعوت دی اور مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کر لی۔

مولوی فضل الحق کی کریم پارٹی، جب "مسلم لیگ" میں شمولیت پر آمادہ ہو گئی تو مولوی فضل الحق کو متحده بنگال کا وزیر اعلیٰ بنا دیا گیا اور وہ خود مکمل داغلہ کے وزیر [Home Minister] ہو گئے۔ مسلم لیگ کے لئے خواجہ ناظم الدین مرحوم کی یہ پہلی قربانی تھی۔ اس وقت سے قائدِ اعظم کے آخری دم تک وہ بنگال میں ان کے معتمد حاصل رہے۔

"ڈیفنس کونسل [Defence Council]" بننے کے بعد جب قائدِ اعظم اور فضل الحق میڈیس کونسل کے بارے میں اختلافات ہوئے اور فضل الحق نے گانگریں کے ساتھ مکمل کروزارت بنائی تو خواجہ صاحب نے فضل الحق کا ساتھ چھوڑ دیا اور ایوان میں مسلم لیگ کے حزبِ اختلاف کے لیڈر ہو گئے۔ 1942ء میں "راست اقدام [Direct Action]" کے فيصلے کے بعد اپنے تمام خطابات سے دستبردار ہو گئے۔ اسی دوران قائدِ اعظم نے انہیں ملک کے باہر یورپ اور امریکی ممالک میں پاکستان کے مطالبہ اور اس کی وضاحت اور اہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے اپنے نمائندہ کی حیثیت سے بھیج دیا۔

لارڈویوں نے جب مرکز میں مسلم لیگ اور کانگریس کی تھوڑی حکومت تشکیل دی تو اس میں ان کی شمولیت کو یقینی تصور کیا جا رہا تھا لیکن قائدِ اعظم نے بنگال کی تشکیل دی تو اس میں ان کی شمولیت کو یقینی تصور کیا جا رہا تھا لیکن قائدِ اعظم نے بنگال کی طرف سے جو گندر ناتھ منڈل کو نامزد کیا۔ لارڈویوں نے جب خود انہیں پیشگی اطلاع دی تو انہوں نے مسکرا کر جواب دیا کہ میرا قائد جو بھی فیصلہ کرتا ہے وہ درست ہے۔

قائدِ اعظم اور مسلم لیگ سے وفاداری کا یہ عالم تھا کہ بادم مرگ وابستہ رہے۔ اکتوبر 1964ء میں جب آپ کا انتقال ہوا اس وقت وہ مسلم لیگ کے صدر تھے۔ محترمہ فاطمہ جناح کو ایوب خان مرحوم کے مقابلہ پر صدارتی امیدوار بننے کے لئے خواجہ صاحب مرحوم ہی نے آمادہ کیا۔ اگر خواجہ صاحب کا انتقال نہ ہوتا تو مشرقی پاکستان میں محترمہ مادرِ ملت کو یقینی کامیابی ہوتی۔ محترمہ فاطمہ جناح بھی "کونسل مسلم لیگ" کی رکن تھیں۔

پاکستان بننے کے بعد مشرقی پاکستان کے پہلے وزیر اعلیٰ منتخب ہوئے۔ قائدِ اعظم کے انتقال کے بعد قائدِ اعظم کے جانشین کے طور پر پاکستان کے گورنر جنرل ہوئے۔ قائدِ ملت کی شہادت کے بعد پاکستان کے وزیر اعظم بنے۔ یہ واحد شخصیت تھی جو قائدِ اعظم اور قائدِ ملت کے جانشین بنے۔ 1955ء کے آخر میں جب غلام محمد نے غیر آئینی، غیر قانونی اور غیر اخلاقی طور پر آپ کو [Dismiss] کیا۔ جبکہ وہ مسلم لیگ کے صدر بھی تھے، خاموش رہ کر پاکستان کو ایک خطرناک بحران سے بچالیا باوجود حامیوں کے بے حد اصار کے کوئی بھی قدم اٹھانے سے انکار کر دیا جس سے پاکستان کو نقصان کا اندیشہ تھا۔

وہ ایک راستہ تقیدہ با عمل مسلمان تھے جس کا ثبوت یہ ہے کہ دسمبر 1963ء میں تحریک پاکستان کے اکابرین کے اصرار پر سیاست میں یہ کہہ کر داخل ہوئے کہ اسلام کو ماذر [Modern] بنانے کی کوششیں شروع ہو گئی ہیں اس کو روکنا ایک مسلمان پر

فرض ہے اور پاکستان کو توڑنے کی سازش شروع ہو چکی ہے اور اس کو بھی روکنا ایک پاکستانی اور مسلمان پر فرض ہے۔ ان فیصلوں سے بھی ان کی بصیرت، دُوراندیشی اور تدبیر کا پتہ چلتا ہے۔ لیکن قائدِ عظم کا یہ وفادار سماں، بگال میں مسلم لیگ کا ستون، بانی پاکستان کا دستِ راست 22 اکتوبر 1974ء کو انے مالکِ حقیقی سے جاملہ۔ ظاہر ہے ایسے مخلص اور ایثار پیشہ رہمناہ ہوتے تو پاکستان کیسے حاصل ہوتا۔

## پروفیسر محمد اسحاق قریشی۔ جموں کشمیر

پروفیسر محمد اسحاق قریشی کا شمارہ ریاست جموں کشمیر کے ذہین مسلمانوں میں ہوتا ہے۔ وہ یہک وقت ایک دانشور اور سیاسی کارکن تھے۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس لاہور جس میں مسلمانوں کے علیحدہ طلن کا مطالبہ کیا گیا، وہ ریاست کشمیر سینٹ مسلم لیگ کی جانب سے بطور مندوب شریک تھے۔ انہوں نے ریاست جموں کشمیر کی جدت و جہاد آزادی میں بھرپور حصہ لیا اور کشمیر مسلم لیگ کا انفراد کے جزء یکٹری کے طور پر کام کرتے رہے۔ انہوں نے انگریزی میں ایم اے کا امتحان پاس کیا اور علی گڑھ یونیورسٹی سے قانون کی ڈگری لی۔ سری گرگر کالج میں مجھے عرصہ تک درس و تدریس سے وابستہ رہے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے ایک اشاعتی ادارہ اور اعلیٰ پیانے کا چھاپ خانہ بھی قاء کیا۔ ان کی پاکستان دوستی اور سیاسی سرگرمیوں کے نتیجے میں انہیں ریاست کشمیر سے باہر نکال دیا گیا اور ان کی لاکھوں کی جائیداد فرقہ کر لی گئی۔ پاکستان آنے کے بعد بھی وہ ساری عمر کشمیر کے پاکستان سے الحاق کی کوشش میں سرگرم عمل رہے۔

## اللہ کا نام لے کر جہالتیں بھیلانے والے مفاد پرست

وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ هَذِهِ الْأَنْعَامِ حَالِصَةٌ لِذُكُورِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلَى أَرْوَاحِنَا وَإِنْ يَكُنْ مَيْتَةً فَهُمْ فِيهِ شُرَكَاءٌ سَيَجْزِيْهُمْ وَضَفَّهُمْ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلَيْنِمْ ☆ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ قَتَلُوا أَوْلَادَهُمْ سَقَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَ حَرَمُوا مَا رَزَقَهُمُ اللَّهُ أَفْتَرَاهُمْ عَلَى اللَّهِ قَدْ ضَلَّوْا وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ [6/139-140] یہ مفاد پرست نہیں کہ پیشوائے لوگوں کے موشیوں اور ان کی فصلوں میں پیروں بزرگوں کے نام پر حصے لگاتے ہیں، یہ لوگوں کے ذہنوں میں عقیدہ بخدا دیتے ہیں کہ حصے کو ان کے سوا کوئی ہاتھ نہیں لگ سکتا، اسی طرح سواری کے جانور بھی پیروں بزرگوں کے نام کر دیتے جاتے ہیں، جن پر ان مفاد پرستوں کے سوا، کوئی اور سواری نہیں کر سکتا، بعض جانور پیروں کے نام پر مزاروں پر چڑھائے جاتے ہیں، یاد رکھو انہیں اس طرح کے جانلانہ اور مشرکانہ عقیدے بھیلانے کی سزا ضرور ملے گی، جو وہ اللہ کا نام لے کر بھیلاتے رہے۔ یہ لوگ اس طرح کے عقیدے بھی بھیلانے تھیں کہ فلاں جانور کے پیت میں جو بچہ ہے وہ صرف مردوں کے لئے کھانا جائز ہے، عورتوں کے لئے اُس کا کھانا حرام ہے۔ اور اگر بچہ مردہ پیدا ہو تو اُسے دونوں کھا سکتے ہیں، ان کی ان جاہلانہ تو ہم پرستیوں کا نتیجہ نہیں ضرور ملے گا، یاد رکھو، اللہ کا نظام یک علم و حکمت پر ہے۔

## سورۃ الشمس [91]

### سلسلہ وار جدید ترین علمی و عقلی تراجمہ

ذیل میں دیئے گئے روایاتی ترجیحے میں قسمیں اٹھانے کی تکرار، ”اللہ کی اوثنی“، [ن اقَةَ اللَّهِ] اور ”اُس کا پانی پینا“، [وَشَقِيَاها]، نیز اہل شمود کے ہاتھوں ”اس کا قتل“، [فَعَقَرُوهَا] وغیرہ کی غیر عقلی منطق پر غور فرمائیں۔ یہ دیومالائی طرز کی خرافات ہیں جو پرانے وقت سے ہمیں قرآن کی روایاتی تقاضیر سے درٹے میں ملی ہیں؛ پھر سورت کے آخر میں اہل شمود کا تباہ ہو کر مٹی میں مل جانے پر بھی غور فرمائیں، اور پھر دیکھیں کہ ان سازشی ملاڈوں کو ایک جدید عقلی اور سخت قانونی ترجیح کے ذریعے قرآن کو اُس کی اپنی سچی روشنی میں شفاف کرنے کی کوششوں کے اس سلسلے میں کیسی خوبصورتی کے ساتھ باطل کر دیا گیا ہے۔

وَالشَّمْسُ وَضُحاهَا ﴿١﴾ وَالْقَمَرِ إِذَا تَلَاهَا ﴿٢﴾ وَالنَّهَارِ إِذَا جَلَّاهَا ﴿٣﴾ وَاللَّيلِ إِذَا يَغْشاها ﴿٤﴾  
 وَالسَّمَاءُ وَمَا بَنَاهَا ﴿٥﴾ وَالأَرْضِ وَمَا طَحَاهَا ﴿٦﴾ وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا ﴿٧﴾ فَاللَّهُمَّا فُجُورُهَا  
 وَتُقْوَاها ﴿٨﴾ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَاهَا ﴿٩﴾ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَاهَا ﴿١٠﴾ كَذَبَتْ ثَمُودٌ بِطُغْواهَا ﴿١١﴾ إِذْ  
 انْبَعَثَ أَشْقَاهَا ﴿١٢﴾ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ نَاقَةَ اللَّهِ وَشَقِيَاها ﴿١٣﴾ فَكَذَبُوهُ فَعَقَرُوهَا فَدَمَدَمَ  
 عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذِنِيهِمْ فَسَوَاهَا ﴿١٤﴾ وَلَا يَخَافُ عُقبَاهَا ﴿١٥﴾

### عمومی روایاتی ترجیحہ

سورج کی اور اس کی دھوپ کی قسم ہے۔ اور چاند کی جب وہ اس کے پیچھے آئے۔ اور دن کی جب وہ اس کو روشن کر دے۔ اور رات کی جب وہ اس کو ڈھانپ لے۔ اور آسمان کی اور اس کی جس نے اس کو بنایا۔ اور زمین اور اس کی جس نے اس کو بچایا۔ اور جان کی اور اس کی جس نے اس کو درست کیا۔ پھر اس کو اس کی بدی اور نیکی سمجھائی۔ بے شک وہ کامیاب ہوا جس نے اپنی روح کو پاک کر لیا۔ اور بے شک وہ غارت ہوا جس نے اس کو آلو دہ کر لیا۔ شمود نے اپنی سرگشی سے (صالح کو) جھٹلا یا تھا۔ جب کہ ان کا بڑا بد بخت اٹھا۔ پس ان سے اللہ کے رسول نے کہا کہ اللہ کی اوثنی اور اس کی سکونت اپنے کی باری سے بچو۔ پس انہوں نے اس کو جھٹلا یا اور اوثنی کی کوئی نہیں کاٹ ڈالیں۔ پھر ان پر ان کے رب نے ان کے گناہوں کے بد لے ہلاکت نازل کی۔ پھر ان کو برابر کر دیا۔ اور اسے (اپنے اس

فعل کے) کسی برے نتیجے کا کوئی خوف نہیں ہے۔"

## جدید ترین علمی و شعوری ترجمہ

اور اس کی روشنی کا مشاہدہ اور اس پر غور کیا کرو، اور چاند پر بھی جب وہ اس کے پیچے پیچے آتا ہے؛ اور دن پر غور کرو جب وہ اپنی روشنی پھیلا دیتا ہے، اور اس رات کی آمد پر بھی غور کرو جب وہ اس روشنی کوڈھانک لیتی ہے؛ نیز اس پوری کائنات پر غور کیا کرو اور اس حکمت و مقدار پر جس نے اسے تخلیق کیا ہے؛ اور غور کرو اس زمین پر اور اس طبعی طریقے کا پر جس نے اسے پھیلایا اور سعی کیا ہے؛ اور انسانی ذات پر بھی غور کیا کرو اور دیکھو کہ اسے کیسے قابل تعریف انداز میں تفکیل دیا گیا ہے، کہ اس میں اس کی شکستگی و بربادی اور اس کی مضبوطی و ارتقاء دونوں صلاحیتیں دو یعنی کردی گئی ہیں۔ پس وہ جنہوں نے اس کی پروش و افزائش کا سامان کر لیا، وہ چیخگی اور خوشحالی حاصل کر گئے؛ اور وہ جو اس کے امکانات کو ضائع کر گئے، زوال کا شکار ہو گئے۔ اہل شہود نے بھی اپنی سرکشی کے باعث جھوٹ کی راہ اپنائی تھی۔ جب ان کے بدترین لوگ [أشقاها] خلافت میں کھڑے کر دیے گئے [انبیعث] تو اللہ کے پیغمبر نے انہیں بتایا کہ اللہ کا عطا کر دہ بہترین اور قابل تعریف ضابطہ کیا ہے [نَاقَةُ اللَّهِ] اور وہ کس طرح علم اور فیوض و برکات سے سیراب کر دیتا ہے [شَقِيَّاها]۔ انہوں نے اسے جھٹلایا اور اسے پھیلنے سے روکنے کے متن کیے [عَقَرُوهَا]۔ ان کے اس جرم پر ان کے پروردگار نے ان پر اپنا غیض و غصب ظاہر کیا [دَمْدَمَ عَلَيْهِمْ] اور بعد ازاں ان پر اپنا ضابطہ مضبوطی سے قائم کر دیا [سَوَّاهَا]۔ اپنے ضابطہ کے قیام کے لیے تسلسل سے کی جانے والی کوششوں [عُقبَاهَا] سے وہ کسی اندریشہ میں بٹلانہیں ہوا کرتا [لَا يَخافُ]۔"

## مشکل الفاظ کے مستند معانی:

**Siin-Waw-Ya**= سوَا: س وی: to be worth, equivalent to. sawwa-to level, complete, arrange, make uniform, even, congruous, consistent in parts, fashion in a suitable manner, make adapted to the exigencies or requirements, perfect a thing, put a thing into a right or good state. istawa-to establish, become firm or firmly settled, turn to a thing, to direct one's attention to a thing, mount. ala sawain-on terms of equality, i.e. in such a manner that each party should know that it is free of its obligations, at par. sawiyyun-even, right, sound in mind and body. sawiyyan-being in sound health.

sawwa(vb. 2(to proportion, fashion, perfect, level, equal, fill the space. sawa-midst.

**Shiin-Qaf-Ya**= شَقِيٰ: اشقي: to be miserable, be wretched, in distress, be unhappy, unblissed, disappointed. Ashqaamost wretched.

Ba'atha= بعث: ابیعث: He was being sent, he became roused to action, he

became roused or was awakened from his sleep.....

Naaqah: ناقہ، نوق: signifying Daintiness, nicety, exquisiteness, refinement, or scrupulous nicety and exactness choosing of what is excellent, or best, to be done and doing admirably or the doing firmly, solidly, soundly or thoroughly, and skillfully..... firm, solid, sound, or free from defect of imperfection.

'aqaroo-ha: عقر وها: to block or prevent the activation or effectiveness of something. To hamstring.

Damdam: دمدم: Growl, snarl, rumble: show of anger, a rough and harsh voice.

**Ayn-Qaf-Ba=:** عقاباها: ع ق ب: to succeed, take the place of, come after, strike on the heel, come at the heel, follow anyone closely. Aqqabatō endeavor repeatedly, return, punish, requitt, retrace one's step. Aqabtō die, leave offsprings, give in exchange. Aqabatunplace hard to ascent. Uqbunsuccess. Ta'aqqabatō take careful information, shout, follow step by step. Aquibheel, son, grandson, offspring, pivot, axis. Uqbarēquital, result, reward, end, success. Iqab(pl. aqubat) punishment after sin, one who puts off or reverses, who looks at the consequence or result of the affair. Mu'aqqibatwho succeed each other, some thing that comes immediately after another thing or succeeds another thing without interruption. It is a double plural feminine of mu'aqqib. The plural feminine form indicates the frequency of the deeds, since in Arabic the feminine form is sometimes employed to impart emphasis and frequency.

### ہر کام کی تکمیل کا ایک وقت ہے

جو مقصود عام رفتار سے 10 سال میں حاصل ہوتا ہواں کو آپ دس دن میں حاصل کرنا چاہیں تو اس کا مطلب ہے کہ آپ چھلانگوں کے ذریعہ اپنا سفر طے کرنا چاہتے ہیں۔ اور چھلانگوں کے ذریعہ سفر ہمیشہ اصل سفر کو طویل بنادیتا ہے۔ چھلانگ لگانے والے کا انجام ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ وہ کسی چٹان سے ٹکرایا جاتا ہے یا کسی کھنڈ میں جا گرتا ہے۔ اس کا تجیہ یہ ہوتا ہے کہ اس کو پیچھے لوٹ کر کسی اسپتال میں داخل ہونا پڑتا ہے جہاں وہ مدت تک علاج کے لئے پڑا رہتا۔ اگر وہ عام رفتار سے چلتا تو وقت پر اپنی منزل تک عجیب جاتا۔ مگر چھلانگ نے اس کو پیچھے ڈال کر اس کے سفر کو اور لمسا کر دیا۔ کسی کام میں دیر لگانا جتنا غلط ہے اتنا ہی غلط یہ بھی ہے کہ آپ اس کو جلد پورا کرنا چاہیں۔ ہر کام کی تکمیل کا ایک وقت ہے اور عجیب تکمیل وہی ہے جو اپنے وقت پر انجام پائے۔ دیر کرنا اگرستی ہے تو جلدی کرنا بے صبری اور اللہ کی اس محکمہ بیانیں دونوں بالآخر جہاں پہنچتے ہیں وہ بے انجامی کے سوا اور کچھ نہیں۔

'aqaroo-ha: عقروها: قروراً to block or prevent the activation or effectiveness of something. To hamstring.

Damdam: دم: Growl, snarl, rumble: show of anger & a rough and harsh voice.

**Ayn-Qaf-Ba=:** عقباها: قب ع to succeed, take the place of, come after, strike on the heel, come at the heel, follow anyone closely. Aqqaba to endeavor repeatedly, return, punish, requit, retrace one's step. Aqab to die, leave offsprings, give in exchange. Aqabatun place hard to ascent. Uqbun success. Ta'aqqaba to take careful information, shout, follow step by step. Aqubheel, son, grandson, offspring, pivot, axis. Uqba requital, result, reward, end, success. Iqab (pl. aqubat) punishment after sin, one who puts off or reverses, who looks at the consequence or result of the affair. Mu'aqqibat who succeed each other, some thing that comes immediately after another thing or succeeds another thing without interruption. It is a double plural feminine of mu'aqqib. The plural feminine form indicates the frequency of the deeds, since in Arabic the feminine form is sometimes employed to impart emphasis and frequency.

## چھوٹی کوشش سے کبھی بڑی کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی

قدرت کو شاہ بلوط [Oak] کا درخت اگانے میں سو برس لگ جاتے ہیں۔ مگر جب وہ گزری کا درخت اگانا چاہتی ہے تو اس کے لئے صرف چھ مہینے درکار ہوتے ہیں۔ اگر آپ معقولی معيار چاہتے ہیں تو چند سال کی تعلیم بھی کافی ہو سکتی ہے مگر غیر معقولی اور اعلیٰ تعلیم یافتہ بننے کے لئے تو بہر حال زیادہ وقت دینا پڑے گا۔۔۔ یہی اصول زندگی کے تمام معاملات کے لئے ہے، چھوٹی ترقی چھوٹی کوشش سے مل سکتی ہے لیکن اگر آپ بڑی ترقی چاہتے ہوں تو لازماً آپ کو بڑی جدوجہد کرنی پڑے گی۔ چھوٹی کوشش سے کبھی بڑی کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ ہر کامیابی کے ساتھ قیمت کا ایک پرچلا گا ہوا ہے۔ اب یہ آپ پر موقوف ہے کہ آپ اس کو حاصل کرنے کے لئے محنت اور قربانی، صبر، یقین اور برداشت کی شکل میں کتنی قیمت ادا کرنے کے لئے تیار ہیں۔ بازار سے آدمی کو وہی چیز ملئی ہے جس کی اس نے قیمت ادا کی ہو۔ اسی طرح ہر ترقی اور ہر کامیابی کی بھی ایک قیمت ہے اور آدمی کو وہی ترقی اور وہی کامیابی ملے گے جس کی اس نے قیمت ادا کی ہو، نہ اس سے زیادہ اور نہ اس سے کم۔ تعلیم اور تعلیم گاہ کا کام یہ ہے کہ وہ انسان کو فکری حیثیت سے اس قابل بنائے کہ وہ ارتقاۓ حیات کے سفر کو مکمل کر سکے۔ تعلیم آدمی کو ملازمت دیتی ہے، مگر یہ تعلیم کاشانوی فائدہ ہے۔ تعلیم کا اصل پہلو یہ ہے کہ وہ آدمی کو زندگی کی سائنس بتائے، وہ آدمی کو حقیقی معنوں میں آدمی بنادے، اس کو فراپن زندگی یاد دلائے۔

spoke to them of what was the best and most admirable Conduct ordained by Allah (naqatullah نَقَاتُ اللَّهِ) and what knowledge and inspiration it filled people with (suqya-ha سُقِيَا هَا) They denied its truth and prevented it from spreading' (aqaroo-ha عَقْرُوهَا) Subsequently, their Nourisher showed His anger to them (damdama 'alayi-him دَمْدَمَ عَلَيْهِمْ) for this crime on their part, and thereafter firmly established His Discipline (sawwa-ha سُوَّا هَا) over them .He is never afraid of repeated/consistent endeavors leading to the success of His Discipline/ideology (uqbaa-ha عَقْبَا هَا)

### Vocabulary:

**Siin-Waw-Ya** س، و، ي:to be worth, equivalent to. sawwa-to level, complete, arrange, make uniform, even, congruous, consistent in parts, fashion in a suitable manner, make adapted to the exigencies or requirements, perfect a thing, put a thing into a right or good state. istawa-to establish, become firm or firmly settled, turn to a thing, to direct one's attention to a thing, mount. ala sawain-on terms of equality, i.e. in such a manner that each party should know that it is free of its obligations, at par. sawiyyun-even, right, sound in mind and body. sawiyyan-being in sound health.  
**sawwa**(vb. 2(to proportion, fashion, perfect, level, equal, fill the space. sawa-midst.

**Shiin-Qaf-Ya** ش، ق، ي:اشقي:to be miserable, be wretched, in distress, be unhappy, unblessed, disappointed. Ashqaamost wretched.  
**Ba'atha** بعث، انبعث:He was being sent, he became roused to action, he became roused or was awakened from his sleep.....  
**Naaqah** ناقه، نوق:نيقة، تتوق، تانق:signifying Daintiness, nicety, exquisiteness, refinement, or scrupulous nicety and exactness choosing of what is excellent, or best, to be done and doing admirably or the doing firmly, solidly, soundly or thoroughly, and skillfully.....firm, solid, sound, or free from defect of imperfection.

*fa-sawwa-ha .Wa laa yakhaafu'uqbaa-ha."*

### **Old Traditionist Translation:**

"By the sun and its heat and brightness, and by the moon as it follows it and by the day as it displays the sun's glory, and by the night as it envelopes the sun and by the sky and by Him Who made it and by the earth and by Him Who stretched it out and by the soul and by Him Who perfectly proportioned it, and imbued it with (the consciousness of) its evil and its piety: He who purifies it will prosper, and he who suppresses it will be ruined. In their presumptuous insolence the Thamud called the Truth a lie when their arch-criminal rose up in rage. Then Allah's Messenger warned them "Hands off the she-camel and her drink"! But they rejected his statement as a lie and hamstrung the she-camel. For that crime their Lord rumbled down upon them, utterly razing them to the ground. He has no fear of its sequel".

### **The latest Academic and Rational Translation:**

"Witness and observe the Sun and its brightness, and the moon as it follows it and ponder upon the day as it appears in its glory and the night as it takes over and conceals it and deliberate on the Universe and the wisdom and purpose that has created it and the Earth and the physical process which caused it to stretch and expand and think deeply also about the human self and how admirably it was proportioned/composed (ما سوأها - مَا سُوَّاهَا) that it was imbued with the elements of its own disintegration as well as its own stability evolution. Hence, those who were able to nourish and grow it, attained ripeness and prosperity and those who have suppressed its potentialities, faced decline. The community of Thamud is an example who chose the way of falsity due to their excessive pride. When their most wretched ones (ashqaa-ha - اشقاها) were made to rise in defiance (ambatha - انبعث) Allah's Messenger

## Thematic Quranic Translation Series

## Chapter Ash-Shams (91)

Look at the meaningless repetition of swearing by God, the weird tale of Allah's "She-Camel" Naaqatu'llah (and "the thirst it quenches") wa suqyaa-ha (and then "its slaughter") a q a r o o - h a (by the community of Thamud! This is the nonsense we have inherited from old times in our traditional interpretations of Quran. And look also at the conclusion of the Chapter emphasizing razing of the community of Thamud to the ground and then check and analyze as to how beautifully these wishful fallacies have been removed in the most comprehensible and rational way in the latest attempt to purify the Quran from the implanted fiction .

وَالشَّمْسِ وَضَحَاهَا ﴿١﴾ وَالنَّهَارِ إِذَا تَلَاهَا ﴿٢﴾ وَاللَّيْلِ إِذَا يُغْشاها ﴿٣﴾ وَالسَّمَاءِ  
وَمَا بَنَاهَا ﴿٤﴾ وَالْأَرْضِ وَمَا طَحَاهَا ﴿٥﴾ وَنَفْسِ وَمَا سَوَّاها ﴿٦﴾ فَاللَّهُمَّ هَا فُجُورُهَا وَتُقْوَاهَا ﴿٧﴾ قَدْ أَفْلَحَ  
مَنْ زَكَاهَا ﴿٨﴾ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَاهَا ﴿٩﴾ كَذَبَتْ نُمُودُ بِطُغْوَاهَا ﴿١٠﴾ إِذَا نَبَغَثْ أَشْقَاهَا ﴿١١﴾ فَقَالَ  
لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ نَاقَةُ اللَّهِ وَسُقِيَاهَا ﴿١٢﴾ فَكَذَبُوهُ فَعَزَّرُوهَا فَدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذِنِيهِمْ فَسَوَّاهَا ﴿١٣﴾ وَلَا  
يَخَافُ عَقْبَاهَا ﴿١٤﴾

## Transliteration:

*Wash-Shamsi, wa dhuhaa-ha, wa alqamari izaa talaa-ha, wa annahaari izaa jallaa-ha, wa allayili izaa yaghsha-ha, was samaai wa maa banaa-ha, wal Ardhi wa maa tahaa-ha, wa nafsin wa maa sawwa-ha, fa alhama-ha fujura-ha wa taqwa-ha, qad aflaha man zakkaa-ha. Wa qad khaaba man dassaa-ha. Kazzabat Thamudu bi-taghwa-ha, riz amba'atha ashqaa-ha, fa-qala la-hum Rasool-ul-laahi naaqat-al-laahi wa suqyaa-ha. Fa-kazzabu-hu fa-'aqaroo-ha, fa-damdam'a lyi-him Rabbu-hum bi-zambi-him,*